فقاتل في سبيل الله لا تكلف إلا نفسك وحرض المؤمنين

افتتاحیہ

کیا آپ اس جنگ میں پرچمِ شریعت تلے کھڑے ہیں؟

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض

کیا جہاد کئے بغیر بھی ''امن'' کا قیام اور ''فساد'' کا خاتمہ ممکن ہے؟

فقہ الجہاد

اشتہاری مجرموں کی فہرستیں مرتب کیجئے!

مصاحبہ

ادارۂ حطین کے ساتھ شیخ ابو یحییٰ حفظہ اللہ کی گفتگو

۵

والله أعلم بأعدائكم

چین، ایک دوست ملک؟

وا إسلاماه

نجانے کب مری بستی کے لوگ جاگیں گے؟

فسينفقونها، ثم تكون عليهم حسرة

ڈالر کی شیطنت

من المؤمنين رجال صدقوا

امیر بیت اللہ محسود رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالمی جہاد کا داعی

شمارہ ۵، ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ

حطّین وہ میدان ہے جہاں تاریخ کا ایک عظیم معرکہ لڑا گیا تھا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمانوں نے صلیبی حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی تھی۔ یہی جنگ اہلِ کتاب سے مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا مقدمہ بنی۔

آج امتِ مسلمہ پھر اسی مرحلے سے دوچار ہے۔ آج پھر اہلِ اسلام پر ایک صلیبی جنگ مسلط ہے۔ ہاں البتہ فرق اتنا ہے کہ کل کی صلیبی جنگ میں صرف قبلہء اول مسجدِ اقصیٰ مسلوب تھی تو آج کعبۃ اللہ کی سرزمین بھی یہود و نصاریٰ کے نرغے میں ہے۔ یاد رکھیے کہ موجودہ دور کی صلیبی جنگ کا مقابلہ بھی اسی طرح ممکن ہوگا جس طرح ماضی کی صلیبی جنگوں کا مقابلہ کیا گیا تھا، بلکہ اُس سے بھی زیادہ قوت و قربانیوں کے ساتھ... کیونکہ کل کی صلیبی جنگ کا شکار محض مسلمان تھے، جب کہ آج اسلام بجائے خود ہدف ہے۔ بس یہی حِطّین کا پیغام ہے!

idara_hitteen@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

مدیر کے قلم سے

کیا آپ اس جنگ میں پرچمِ شریعت تلے کھڑے ہیں؟

الحمد للّٰہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللّٰہ و بعد'

''زمینی حقائق''، آسمانی حقائق کی روشنی میں سمجھئے!

یہ دنیا تو ہے ہی''دار الغرور''، دھوکے کا گھر! اکثر اوقات اس پرہجوم دنیا کا شور ہنگامہ، زمانے کے نشیب وفراز، حوادث کا مدو جزر، عروج و زوال کی کشمکش، اقبال و ادبار کا دلچسپ سفر، ہار جیت کی آنکھ مچولی......اور اس سب پر ظاہر بین نگاہوں اور مادہ پرست عقلوں کے تبصرے و تجزیے، مباحثے ومکالمے، ہمیں کچھ اہم تر آسمانی حقائق، کچھ اٹل تکوینی اصولوں اور نا قابلِ تغییر الٰہی سنتوں سے غافل کر دیتے ہیں۔

آج جبکہ اخبارات و جرائد اور ٹی وی و ریڈیو بطلِ جہاد ملا بیت اللہ محسود رحمہ اللہ کی شہادت، مولانا صوفی محمد، حاجی مسلم خان اور مولوی عمر (فكَّ اللّٰهُ اَسرهم) کی گرفتاری، سوات میں فوج کی کامیابی، خیبر اور باجوڑ میں فوجی پیش قدمی، اورکزئی ایجنسی میں فضائی بمباری اور جنوبی وزیرستان کے اہم مقامات پر فوج کے قبضے جیسی خبروں سے پُر ہیں......اس بات سے ہوشیار رہنا نہایت اہم ہے کہ کہیں ذرائع ابلاغ کے دکھائے ہوئے''زمینی حقائق''، ہمیں ان عظیم تر آسمانی حقائق اور نا قابلِ تغییر الٰہی سنتوں سے غافل نہ کر دیں۔ آیئے! ذرا حالات کے درست تجزیہ کے لئے خواہشات کی تابع انسانی عقلوں کی بجائے رب العالمین کے کلام سے رہنمائی لیتے ہیں......اور موجودہ حالات پر اس کتابِ مبین سے ایک بے لاگ تبصرہ مانگتے ہیں۔

غزوۂ اُحد کی ہزیمت میں پوشیدہ اسباق

اللہ جل جلالہ نے اپنی پاک کتاب میں یہ حقیقت مختلف پیرایوں میں بیان فرمائی ہے کہ جس طرح اس عالمِ فانی میں کسی دوسری شے کو ثبات نہیں حاصل، اسی طرح کفر و اسلام کے معرکوں میں فتح ونصرت بھی مستقلاً کسی ایک گروہ کا مقدر نہیں رہتی۔ غزوۂ احد...... جہاں رسولِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے قدسی نفوس کی موجودگی کے باوجود اہلِ ایمان کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا......
اس غزوے پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ. هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ. وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ. اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

(آل عمران: ۱۳۷-۱۴۲)

’’تم سے پہلے بھی یہ (الٰہی) سنتیں گزر چکی ہیں لہٰذا تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (نبیوں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے وضاحت اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ اور تم سستی نہ کرو، اور نہ غم کھاؤ، اور تم ہی غالب ہوا گر تم مومن ہو۔ اگر تمہیں (احد میں) زخم لگے ہیں تو ایسے ہی زخم (بدر میں) کافروں کو بھی لگ چکے ہیں۔ اور ہم (فتح وشکست کے) ان ایام کو لوگوں کے درمیان باری باری گردش دیتے ہیں؛ اور (تم پر یہ کٹھن ایام) اس لئے (لائے گئے) تا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ (حقیقی) ایمان والے کون ہیں؟ اور وہ تم میں سے بعض کو شہادت کے لئے چن لے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور (ایک وجہ یہ بھی تھی کہ) اللہ ایمان والوں کو (گناہوں سے) پاک کر دے اور کافروں کو مٹا ڈالے۔ پھر کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون‘‘۔

یادرہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کوئی معمولی نقصان نہیں پہنچا تھا بلکہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر جو بہترین ہستیاں دیکھی گئیں، ان کی ایک بہت بڑی تعداد محض ایک دن کے اندر اندر شہید ہوگئی تھی۔ مشہور حنفی مفسر امام ابوالسعود العمادی رحمہ اللہ اسی نقصان کی تفصیل بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’وكان قد قتل يومئذ خمسة من المهاجرين: حمزة بن عبد المطلب ومصعب

بن عمير صاحب راية رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم وعبداللّٰه بن جحش ابن عمة النبي صلى اللّٰه عليه و سلم وعثمان بن مظعون وسعد مولٰى عتبة رضوان اللّٰه تعالىٰ عليهم أجمعين، و من الأنصار سبعون رجلًا رضي اللّٰه عنهم".

(إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، في شرح سورة آل عمران)

"احد کے دن مہاجرین میں سے پانچ حضرات شہید ہوئے تھے، یعنی: (رسولِ کریمؐ کے چچا) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم بردار حضرت مصعب بن عمیر، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت سعد مولیٰ عتبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ نیز انصار میں سے ستر صحابہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا، رضی اللہ عنہم"۔

تکلیف وغم کے اس کٹھن موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ یہ آیات نازل فرماتے ہیں اور تسلی دیتے ہیں کہ اہلِ ایمان کا جنگ میں شکست کھانا اور نقصان اٹھانا کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ مومنین پر ایسے حالات لانا تو اللہ رب العزت کی قدیم سنت ہے۔ چنانچہ امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ﴾ أي: قد جرى نحو هذا على الأمم الذين كانوا من قبلكم من أتباع الأنبياء، ثم كانت العاقبة لهم والدائرة على الكافرين".

"اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ ﴿تم سے پہلے بھی یہ (الٰہی) سنتیں گزر چکی ہیں﴾ سے مراد یہ ہے کہ یہ سب کچھ تو گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے، لیکن بالآخر انجامِ کار ان کے حق میں اور کفار کے خلاف نکلا"۔

(تفسير ابن كثير، سورة آل عمران، آيت ۱۳۷)

گردشِ ایام، ایک اٹل الٰہی سنت

پھر ذرا آگے چل کر اللہ جل جلالہ یہ اٹل اصول وقاعدہ بیان فرماتے ہیں کہ "**وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ**"، یعنی "ان ایام کو ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں"۔ علامہ زمخشری رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

’’والمراد بالأيام:أوقات الظفر والغلبة، نداولها:نصرفها بين الناس، نديل تارة لهؤلاء و تارة لهؤلاء‘‘.

’’یہاں ایام سے مراد ہے فتح و غلبے کے اوقات، اور ایام کو گردش دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح و غلبے کے دن لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں، کبھی کسی کو فتح نصیب فرماتے ہیں اور کبھی کسی کو‘‘۔

(الکشّاف للزمحشريؒ، في شرح سورة آل عمران)

جنگ تو نام ہے پیہم کشمکش کا!

جنگ کی تو فطرت ہی یہ ہے کہ کبھی ایک فریق غالب آتا ہے اور کبھی دوسرا۔ ہر لمحے ایک کشمکش، ایک رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو رومی بادشاہ ہرقل اور سردارِ قریش ابوسفیانؓ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے درمیان پیش آنے والے مشہور مکالمے سے واضح ہوتی ہے۔ یہ مکالمہ ہرقل کے دربار میں پیش آیا اور اسے بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ اور دیگر محدثین نے تفصیلاً نقل کیا ہے۔ ہرقل نے ابوسفیانؓ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف سوالات پوچھے، جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ

’’كيف كان قتالكم إيّاه؟‘‘

’’تمہاری اور ان کی جنگ میں کیا معاملہ رہتا ہے؟‘‘

تو آپ نے جواب دیا کہ

’’الحرب بيننا و بينه سجال، ينال منا و ننال منه‘‘.

’’ہماری اور ان کی جنگ (میں فریقین کو) باری باری (فتح ملتی) ہے، کبھی وہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں اور کبھی ہم انھیں‘‘۔

(صحيح البخاري؛ باب بدء الوحي)

انبیاء علیہم السلام بھی اس سنتِ الٰہی سے مستثنیٰ نہیں

یہاں یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ جنگ اگر انبیائے کرام علیہم السلام اور بت پرست مشرکین کے مابین ہو تب بھی ’’گردشِ ایام‘‘ کا یہ الٰہی قانون نہیں بدلتا۔ بلکہ ہرقل نے تو فتح و شکست کی اسی گردش کو نبوتِ محمدی

صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل قرار دیا اور ابوسفیانؓ سے یہ تاریخی جملہ کہا کہ:

''**سألتك كيف كان قتالكم إياه فزعمت أن الحرب سجال و دول، فكذلك الرسل تبتلى ثم تكون لهم العاقبة**''.

''جب میں نے تم سے پوچھا کہ تمہاری اور ان کی جنگ میں کیا معاملہ رہتا ہے تو تم نے کہا کہ جنگ (میں فریقین کو) باری باری (فتح ملتی) ہے...... پس رسولوں کو تو یونہی آزمایا جاتا ہے، اور بالآخر انجامِ کار انھی کے حق میں نکلتا ہے''۔

(صحيح البخاري، كتاب الجهاد ، باب قول الله ''هل تربصون بنا إلا إحدى الحسنيين'' والحرب سجال)

گردشِ ایام کی سنت میں پوشیدہ حکمتیں

جب کبھی مجاہدینِ اسلام کسی معرکے میں شکست سے دوچار ہوں، کسی مالی یا جانی نقصان کا سامنا کریں، کسی اہم قائد سے محروم ہوں تو ذہن میں یہ سوال خود بخود ابھرتا ہے کہ آخر ان ابنائے امت پر سختیاں و آزمائشیں لانے میں کیا الٰہی حکمت پوشیدہ ہے؟...... جبکہ یہ محض اللہ ہی کی خاطر ان کفارِ ناہنجار سے پنجہ آزما ہیں! اللہ کی کتاب اس سوال کا بھی کافی وشافی جواب دیتی ہے، جسے ذہن نشین رکھنا دلوں کی مضبوطی اور قدموں کے ثبات کا باعث ہے۔ آیئے ذرا قرآنی تفاسیر کی روشنی میں کتاب اللہ میں بیان کردہ ان حکمتوں کا مطالعہ کریں:

۱۔ امتحان، مقصدِ تخلیقِ انسانی

اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کا یہ نظام انسانوں کے امتحان کی خاطر تخلیق کیا ہے۔ رب کی مشیت ہے کہ اس عالمِ فانی میں حق وباطل کی کشمکش سدا جاری رہے اور امتحان کا یہ سلسلہ کبھی تھمنے نہ پائے، وگرنہ اہلِ حق اگر ہمیشہ فتح یاب ہوں اور اہلِ باطل ہمیشہ ناکام، تو امتحان نامی کوئی شے باقی نہ بچے اور تخلیقِ انسانی کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ قرآنِ کریم اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے کہ:

﴿......وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ (محمدؐ:۴)

''اور اگر اللہ چاہتے تو خود ہی ان (کفار) سے بدلہ لے لیتے، لیکن یہ (قتال تم پر) اس لئے (فرض کیا گیا) ہے تا کہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائیں''۔

امام رازی رحمہ اللہ اسی حوالے سے نہایت دلنشین پیرائے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”واعلم أنه ليس المراد من هذه المداولة أن اللّٰه تعالٰى تارة ينصر المؤمنين وأخرٰى ينصر الكافرين وذلك لأن نصرة اللّٰه تعالٰى منصب شريف وإعزاز عظيم فلا يليق بالكافر، بل المراد من هذه المداولة أنه تارة يشدد المحنة على الكفار وأخرٰى على المؤمنين، والفائدة فيه من وجوه، الأول:أنه تعالٰى لو شدد المحنة على الكفار في جميع الأوقات لحصل العلم الإضطراري بأن الإيمان حق وما سواه باطل، ولو كان كذلك لبطل التكليف والثواب والعقاب، فلهذا المعنى تارة يسلط اللّٰه المحنة على أهل الإيمان، وأخرٰى على أهل الكفر لتكون الشبهات باقية والمكلف يدفعها بواسطة النظر في الدلائل الدالة على صحة الإسلام فيعظم ثوابه عنداللّٰه“.

”خوب جان لو کہ گردشِ ایام سے یہ ہرگز نہیں مراد کہ اللہ تعالیٰ کبھی اہلِ ایمان کی مدد فرماتے ہیں اور کبھی کافروں کی، کیونکہ اللہ کی تائید ونصرت کا حصول ایک عظیم اعزاز اور معزز مقام ہے، اور کافر کسی طور بھی اس شرف کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اس گردشِ ایام سے تو دراصل یہ مراد ہے کہ اللہ جل جلالہ کبھی کفار پر مشکل حالات لاتے ہیں اور کبھی اہلِ ایمان پر۔ اس الٰہی سنت میں کئی حکمتیں وفوائد پوشیدہ ہیں۔ سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کفار ہی پر مشکلات اور سختیاں اتارتے تو ہر انسان یہ بات لازماً جان جاتا کہ ایمان کی راہ ہی حق ہے اور اس کے سوا ہر راہ باطل۔ یوں احکاماتِ الٰہی کی پابندی پر ثواب وعقاب مرتب ہونے کا سلسلہ ہی بے معنی ہو جاتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کبھی اہلِ ایمان پر مشکلات اور سختیاں اتارتے ہیں اور کبھی کفار پر، تاکہ شبہات کی گنجائش بھی باقی رہے اور مکلّف (یعنی ہر عاقل بالغ انسان) حقانیتِ اسلام کے دلائل پہ غور وفکر کے ذریعے یہ شبہات رفع کرے، اور یوں اللہ کے یہاں اس کے اجر میں اضافہ ہو“۔

(تفسير مفاتيح الغيب، للإمام فخر الدين الرازي، شرح سورة آل عمران، الآية رقم:۱۴۰)

۲۔ مومن ومنافق کے درمیان تفریق

مجاہدین پر آزمائشیں اتارنے کی ایک اہم حکمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿......وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (آل عمران:۱۴۰)

''...... یہ اس لئے ہے تاکہ اللہ جان جائے کہ (حقیقی) ایمان والے کون ہیں''۔

امام ابو الليث السمرقندي الحنفي رحمه الله اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''......يعني يتبين المؤمن من المنافق أنهم يشكون في دينهم أم لا، لأن المؤمن المخلص يتبين حاله عند الشدة والبلايا، و هذا كما رُوي عن لقمان الحكيم أنه قال لإبنه: إن الذهب والفضة يختبران بالنار، والمؤمن يختبر بالبلايا''.

''......اس (گردشِ ایام) سے مقصود یہ ہے کہ مومن اور منافق چھٹ کر علیحدہ ہو جائیں، اور پتہ چل جائے کہ کیا (ایمان کے) یہ (دعویدار) واقعتاً اپنے دین پر پختہ یقین رکھتے ہیں؟ کسی شخص کا مخلص اور صاحبِ ایمان ہونا تو شدت کے ایام میں اور آزمائشوں کے دوران ہی واضح ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے لقمان حکیم کا یہ قول مروی ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: جس طرح سونے، چاندی کا کھرا یا کھوٹا ہونا آگ میں ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح مومن کا حال بھی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد ہی کھلتا ہے''۔

(تفسير بحر العلوم للسمرقنديؒ، شرح سورة آل عمران، الآية رقم:۱۴۰)

۳۔ شہداء چننے کا الٰہی انتظام

ربِ ذوالجلال نے قتال کا حکم دے کر اہلِ ایمان کو کفار کے بالمقابل جنگ میں اتارا، دونوں طرف کے لشکر اپنی بھرپور تیاری کے ساتھ میدان میں اترے، اموال کھپے، میدان سجے، کفر کے شیدائی اور اسلام کے متوالے باہم ٹکرائے، کبھی ایک کا پلڑا بھاری رہا اور کبھی دوسرے کا۔ انسان کی ظاہر بین نگاہوں کو ''فتح یا شکست'' ہی اس ساری جدوجہد کا محور نظر آئی......لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس ساری کشمکش سے کچھ اور بھی مقصود تھا، جس سے پردہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿......وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (آل عمران:۱۴۰)

''......اور (اس گردشِ ایام سے) یہ بھی (مقصود ہے) کہ اللہ تم میں سے بعض کو شہادت کے لئے چن لے''۔

پس جہاں ان آزمائشوں میں کئی دیگر حکمتیں پوشیدہ ہیں، وہیں یہ امر ذہن نشین رہنا بھی نہایت اہم

ہے کہ اللہ رب العزت جنگ کے یہ عظیم الشان میدان اس لئے سجاتے ہیں، یہ گھمسان کے معرکے اس لئے کرواتے ہیں تا کہ رب کے محبوب بندے شہادت کے مقام سے سرفراز ہو سکیں۔ اللہ ہمیں اس سعادت سے محروم نہ رکھے! علامہ سعدیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”وهذا أيضًا من بعض الحكم، لأن الشهادة عند الله من أرفع المنازل، ولا سبيل لنيلها إلا بما يحصل من وجود أسبابها، فهذا من رحمته بعباده المؤمنين أن قيّض لهم من الأسباب ما تكرهه النفوس، لينيلهم ما يحبون من المنازل العالية والنعيم المقيم“.

”یہ بھی (گردشِ ایام کی) حکمتوں میں سے ایک ہے۔ شہادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ ترین مقامات میں سے ہے اور اس مقام کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ اسباب موجود ہوں جن سے (اہلِ ایمان کو) شہادت مل سکے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے مومن بندوں پر خاص فضل ہے کہ اس نے ان کے لئے ایسے اسباب مقرر فرمائے جو اگر چہ ان کے نفس پہ شاق گزرتے ہیں لیکن انہیں ان کی محبوب منزل، یعنی بلند درجات اور دائمی نعمتیں دلوانے کا ذریعہ ہیں“۔

(تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنان، للعلامة عبدالرحمان بن ناصر السعدي)

۴۔ گناہوں پر تادیب

کبھی کبھار اہلِ ایمان اس لئے بھی ہزیمت سے دوچار ہوتے ہیں کہ ان کے کسی گناہ کے سبب رب کی نصرت اٹھ جاتی ہے اور آزمائشیں انھیں اللہ کی طرف متوجہ کرنے اور توبہ کا موقع فراہم کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ چنانچہ غزوۂ احد میں پسپائی اختیار کرنے والے حضرات پر گرفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

”بلاشبہ تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پسپائی اختیار کی جب دو لشکر آپس میں ٹکرائے تھے، انھیں شیطان نے ان کی بعض کوتاہیوں کے سبب پھسلا دیا تھا۔ اور یقیناً اللہ نے انھیں معاف کر

دیا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ بہت بخشنے والا، بہت درگزر کرنے والا ہے''۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''کـان السبـب فـي توليتهم أنهم كانوا أطاعوا الشيطان فاقترفوا ذنوباً، فمنعوا من التأييد وتقوية القلوب حتى تولوا''.

''ان حضرات کے پیٹھ پھیرنے کا اصل سبب یہ تھا کہ یہ شیطان کی اطاعت کرتے ہوئے بعض گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے تھے، جس کی وجہ سے انہیں تائیدِ الٰہی اور تقویتِ قلب سے محروم کر دیا گیا اور نتیجتاً یہ پیٹھ پھیر گئے''۔

(تفسير روح المعاني للعلامة ابن عبدالله الآلوسي، شرح سورة آل عمران، الآية رقم: ۱۵۵)

اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''......الـمـؤمـن قـد يـقدم على بعض المعاصي،فيكون عند الله تشديد المحنة عليه أدباً له''.

''عین ممکن ہے کہ مومن کبھی گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے، پس ایسے میں اس پر اللہ کی جانب سے مشکلات و تکالیف بطورِ تادیب بھیجی جاتی ہیں''۔

(تفسير مفاتيح الغيب، للإمام فخر الدين الرازي، شرح سورة آل عمران، الآية رقم: ۱۴۰)

پس ہر مجاہد فی سبیل اللہ کو چاہیے کہ وہ دشمن سے زیادہ اپنے گناہوں سے ڈرے، ہر لمحہ تعلق باللہ مضبوط کرنے کی فکر کرے اور استغفار کی کثرت کو اپنا معمول بنائے۔

۵۔ مغفرت اور بلندیٔ درجات کا ذریعہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ گردشِ ایام ہی کی ایک اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......﴾ (آل عمران: ۱۴۱)

''اور اس (گردشِ ایام) سے یہ بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو (گناہوں سے) پاک کر دے''۔

امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''أي يـكـفـر عـنهـم من ذنوبهم إن كان لهم ذنوب، وإلا رفع لهم في درجاتهم

بحسب ما أصيبوا به''.

''یعنی (اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو آزمائشوں سے)اس لئے (گزارتے ہیں) تاکہ اگر انھوں نے کچھ گناہ کئے ہوں تو وہ گناہ معاف کردیئے جائیں، اور بصورتِ دیگر ان کے درجات میں بقدرِ آزمائش اضافہ کردیا جائے''۔

(تفسير ابن كثير، شرح سورة آل عمران، آيت :۱۴۱)

۶۔ کفار کی بربادی وتباہی کا پیش خیمہ

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے میں ایک اور حکمت ذکر فرماتے ہیں:

﴿وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آل عمران :۱۴۱)

''اور اس (گردشِ ایام) سے یہ بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو (گناہوں سے) پاک کردے اور کفار کو مٹا ڈالے''۔

امام ابولیث سمرقندی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''أي: يهلكهم و يستأصلهم لأنهم يجترؤن فيخرجون مرة أخرٰى فيستأصلهم''.

''اس (فرمانِ مبارک) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی (گردشِ ایام) کو کفار کی ہلاکت و بربادی کا ذریعہ بناتے ہیں، کیونکہ (مسلمانوں کو ایک مرتبہ نقصان سے دوچار کرنے کے بعد) کفار پہلے سے زیادہ جرأت کے ساتھ میدان میں اترتے ہیں، لیکن اب کی بار اللہ تعالیٰ انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں''۔

(تفسير بحر العلوم للإمام أبي الليث السمرقنديؒ، شرح سورة آل عمران، الآية رقم:۱۴۱)

پس آزمائشوں اور قربانیوں میں اضافہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اہلِ ایمان کی فتح اور کفار کی بربادی کا وقت قریب آن لگا ہے، یہی قرآنی تعلیم ہے اور یہی میدانِ جہاد کا عملی مشاہدہ۔

۷۔ آزمائش......تربیت وتزکیہ کا مؤثر ذریعہ

میدانِ جہاد اہلِ ایمان کے لئے ایک بہترین تربیت گاہ کا کام دیتا ہے۔ اس میدان میں خوف و بھوک کا سامنا بھی ہوتا ہے، مالی نقصانات بھی پیش آتے ہیں، کاری زخم کھانے اور ساتھیوں کی لاشیں چننے کے کٹھن مراحل بھی دیکھنے پڑتے ہیں، شکست و ہزیمت کے بھاری نفسیاتی صدمے بھی اٹھانے پڑتے

ہیں...... یہ اور نفس پہ شاق گزنے والی ایسی ہی دیگر سختیاں، مجاہدین کو صبر اور ضبطِ نفس کا خوگر بناتی ہیں، انھیں گناہوں کی آلائش اور معصیت کے مہلک اثرات سے پاک کرتی ہیں اور ان کے اندر وہ اعلیٰ اوصاف پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں جو انھیں خلافتِ ارضی کا بھاری بوجھ سنبھالنے کے قابل اور انسانیت کی قیادت کرنے کا اہل بنائیں۔ چنانچہ صاحبِ تفسیرِ حقی لکھتے ہیں:

"قال القاشاني رحمه اللّٰه: ومن فوائد الإبتلاء خروج ما في إستعداداتهم من الكمالات إلى الفعل كالصبر والشجاعة وقوة اليقين وقلة المبالاة بالنفس وإستيلاء القلب عليها والتسليم لأمر اللّٰه وأمثالها".

"قاشانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آزمائش و ابتلاء کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کے پوشیدہ صفات و کمالات نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں، مثلاً صبر، شجاعت، قوتِ یقین، سرفروشی، نفسانی تقاضوں پہ قابو، حکمِ الٰہی کی پابندی وغیرہ"۔

(تفسير حقي، شرح سورة آل عمران، آيت:۱۴۱)

۸۔ عالمِ آخرت کی یاد دہانی

مومن کا اصل گھر تو آخرت ہے، اصل کامیابی و ناکامی بھی آخرت کی کامیابی و ناکامی ہے۔ اس حقیر دنیا کی نعمتیں تو اللہ تعالیٰ کافر و مومن سبھی کو دیتے ہیں۔ چنانچہ ہر مومن کو یہاں کی ناکامی سے زیادہ وہاں کی ناکامی کی فکر دامن گیر ہونی چاہیے، یہاں کی کامیابی سے زیادہ وہاں کی کامیابی پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ دل اسلام کی سربلندی کی تڑپ، کفر و شرک کے خاتمے کے جذبے اور نفاذِ شریعت کی تمنا سے خالی ہوں۔ یہ سب تو ایمان کی علامت ہیں، رب سے محبت کی دلیل ہیں، حمیتِ دینی کا تقاضہ ہیں...... کسی صاحبِ ایمان کا قلب کسی حال میں ان پاکیزہ جذبات سے خالی نہیں ہوسکتا۔ ہمارا مقصود تو صرف یہ کہنا ہے کہ مقصدِ اصلی اور ثانوی مقاصد میں فرق برقرار رکھا جائے، زمین پہ کلمۃ اللہ کی سربلندی کی خاطر جانیں کھپاتے ہوئے کسی لمحہ بھی اخروی نجات کا ہدف آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ پس آزمائشیں اتارنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہمیں اس قیمتی سبق کی یاد دہانی ہو۔ علامہ سعدی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ومن الحكم في ذلك أن هذه الدار يعطي اللّٰه منها المؤمن والكافر، والبر

والفاجر، فيداول اللّٰه الأيام بين الناس، يوم لهذه الطائفة ويوم للطائفة الأخرٰى، لأن هذه الدار الدنيا منقضية فانية، وهذا بخلاف الدار الآخرة، فإنها خالصة للذين آمنوا''.

''اس (گردشِ ایام) میں یہ حکمت بھی پوشیدہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ مومن و کافر، نیک و بد، سبھی کو اپنی نعمتیں عطا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ (فتح کے) ان ایام کو لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں، کبھی ایک گروہ کو کامیابی نصیب ہوتی ہے اور کبھی دوسرے کو...... کیونکہ یہ عالمِ دنیا ختم اور فنا ہونے والا ہے، جبکہ عالمِ آخرت (جس نے ہمیشہ باقی رہنا ہے، میں یہ معاملہ نہیں ہوگا، وہ عالم تو) اہلِ ایمان ہی کے لئے خالص ہوگا ہے''۔

(تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنان للعلامة سعديؒ، شرح سورة آل عمران)

۹۔ یہی تو جنت کا راستہ ہے!

اللہ تعالیٰ نے جنت کو آزمائشوں اور تکالیف سے گھیر رکھا ہے۔ یہ تکالیف تو جنت کی وہ قیمت ہیں جس کی ادائیگی کئے بغیر جنت میں داخلہ محال ہے، إلا أن يشاء اللّٰه ۔ چنانچہ اللہ جل جلالہ اگلی ہی آیت میں فرماتے ہیں:

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (آل عمران: ۱۴۲)

''کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون''۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''أي: لا تظنوا ولا يخطر ببالكم أن تدخلوا الجنة بدون مشقة واحتمال المكاره في سبيل اللّٰه وابتغاء مرضاته، فإن الجنة أعلى المطالب وأفضل ما به يتنافس المتنافسون، وكلما عظمت المطلوب عظمت وسيلته، والعمل الموصل إليه، فلا يوصل إلى الراحة إلا بترك الراحة، و لايدرك النعيم إلا بترك النعيم''.

''یعنی: تم یہ نہ سمجھنا، اس کا تصور بھی نہ کرنا کہ اللہ کی راہ میں اور رضائے الٰہی کی خاطر مشقت و تکالیف برداشت کئے بغیر ہی تمہیں جنت مل جائے گی۔ جنت تو وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کوئی انسان طلب کر سکتا ہے، وہ افضل ترین مرتبہ ہے جس کے حصول کی خاطر باہم منافست و مقابلہ ممکن ہے...... پس کسی شے کا مقام جتنا عظیم ہو، اس کے حصول کا راستہ اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ بھی اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ بلاشبہ راحت پانے کے لئے راحت چھوڑنی پڑتی ہے اور نعمت حاصل کرنے کے لئے نعمتیں ترک کرنا پڑتی ہیں''۔

(تیسیر الکریم الرحمٰن في تفسیر کلام المنان للعلامة السعديؒ، سورة آل عمران، الآیة:۱۴۲)

مومن کی شکست اور کافر کی شکست یکساں نہیں

درج بالا سطور سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فتح وشکست کو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان گردش دینے میں بے تحاشا الٰہی حکمتیں پوشیدہ ہیں، جنھیں نگاہ میں رکھنے سے فتح وشکست کے بارے میں ایک مومن کا نظریہ باقی دنیا سے یکسر مختلف ہوجاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہاں یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ اگرچہ مومن بھی کبھی جنگ میں شکست کھا جاتا ہے اور کافر بھی، لیکن ان دونوں کی شکست قطعاً یکساں نہیں ہوتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (النسآء: ۱۰۴)

''اور تم دشمنوں کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو بے شک وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم تکلیف اٹھاتے ہو، اور تم اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی امید وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے''۔

امام ابوبکر جصاصؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''فأخبر أنهم يساوونكم فيما يلحق من الألم بالقتال، وأنكم تفضلونهم فإنكم ترجون من الله ما لا يرجون ......قوله تعالٰى: ﴿وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ﴾ قيل فيه وجهان: أحدهما؛ ما وعدكم الله من النصر إذا نصرتم دينه، والآخر؛ ثواب الآخرة ونعيم الجنة''.

’’یہاں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ایک اعتبار سے تو کفار تمہارے برابر ہیں کہ دونوں ہی کو قتال میں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، لیکن دوسرے اعتبار سے تمہیں ان پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ تم اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی امید وہ نہیں رکھتے۔

......اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اور تم اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی امید وہ نہیں رکھتے﴾ کے بارے میں اہلِ علم کے دو اقوال ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ یہاں اس الٰہی وعدے کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم نے اللہ کے دین کی نصرت کی تو اللہ بھی تمہیں (بالآخر) فتح عطا فرمائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت کے ثواب اور جنت کی نعمتوں کا وعدہ ہے‘‘۔

(أحكام القرآن للجصاصؒ، في شرح سورة النسآء، الآية رقم: ۱۰۴)

اپنے عقائد اور اصولوں پر جمے رہنا اصل فتح ہے

غزوۂ احد کے بعد میدانِ جنگ میں ستر سے زائد صحابہؓ کی لاشیں بکھری پڑی تھیں، زخمیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بھی خون سے تر تھا اور کفارِ مکہ بدر کا بدلہ چکانے پر خوشیاں منا رہے تھے...... ایسے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی کہ:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران ۱۳۹)

’’اور تم سستی نہ کرو، اور نہ غم کھاؤ، اور تم ہی غالب ہو اگر تم مومن ہو‘‘۔

بیشتر مفسرین نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ اللہ جل جلالہ کا فرمان ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ محض مستقبل کے غلبے کی بشارت نہیں بلکہ احد کے دن پر تبصرہ بھی ہے۔ یعنی یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ بظاہر تمہیں اس معرکے میں پسپا ہونا پڑا اور بہت سا جانی نقصان بھی اٹھانا پڑا، لیکن اگر اس کے باوجود بھی تم ایمان پر قائم ہو، تو تم ہی درحقیقت غالب و فتح یاب ہو۔ گویا اپنے عقیدے و منہج پر جمے رہنا اہلِ ایمان کی اصل فتح ہے، اور کفار کے لئے اس سے بڑی ہزیمت و رسوائی کوئی نہیں کہ وہ اپنا پورا زور لگانے کے باوجود بھی مسلمانوں کو ان کے اصول و مبادی سے بالشت بھر نہ ہٹا پائیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’یہ آیات جنگِ احد کے بارے میں نازل ہوئیں جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے، ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں،

پیغمبر علیہ السلام کو بھی ان اشقیاء نے زخمی کر دیا تھا اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آ رہے تھے۔ اس ہجومِ شدائد ویاس میں خداوندِ قدوس کی آواز سنائی دی کہ: ﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ دیکھنا سختیوں سے گھبرا کر دشمنانِ خدا کے مقابلے میں سستی اور نامردی پاس نہ آنے پائے، پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہو کر بیٹھ رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو! آج بھی تم ہی معزز و سربلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے اور جانیں دے رہے ہو اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے"۔

(تفسیرِ عثمانی، شرح سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۹)

فتح وشکست حق کو پہچاننے کا پیمانہ ہرگز نہیں!

گردشِ ایام کی سنت میں پوشیدہ حکمتوں کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ مجاہدین کو ہر لمحے اپنے اعمال کو بہتر بنانے، گناہوں سے بچنے اور شریعت کے عطا کردہ منہج سے چمٹے رہنے کی فکر لاحق ہونی چاہیے، لیکن یہ لازم نہیں کہ ان کی شکست کا سبب ہمیشہ ان کے اعمال کی کمزوری یا ان کے منہج کی خامی ہو۔ اہلِ ایمان پر کٹھن حالات لانے میں اللہ تعالیٰ کی کئی دیگر حکمتیں بھی کارفرما ہوتی ہیں جن کی طرف مختصراً اشارہ درج بالا سطور میں کر دیا گیا ہے۔ پس کم فہم ہے وہ شخص جو محض مجاہدین کو کسی معرکے میں نقصان اٹھاتا دیکھ کر یا کسی وقتی ہزیمت سے دوچار پا کر ان کے رستے کی درستی اور ان کی دعوت کی صداقت میں ہی شک کرنے لگے۔ حق و باطل، صحت و عدمِ صحت کا فیصلہ کرنے کے لئے تو شرعی دلائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پھر دلائل کو پرکھنے کے بعد جو راہ اختیار کر لی جائے اسے ہرگز ترک نہیں کیا جاتا، خواہ اس پر چلنے کی پاداش میں آروں سے چیرا یا سولی پہ چڑھایا جائے۔ یہ تو خواہشات کے پجاریوں اور نفس کے بندوں کا طرز ہے کہ وہ ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں اور محض کسی کو شکست کھاتا دیکھ کر اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ہرقل اور ابوسفیانؓ کے مکالمے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واعلم أن هرقل كان عالمًا بالتوراة وأحوال الأنبياء، فلم يجعل هزيمة أصحابه صلى الله عليه وسلم دليلاً على عدم صدقه، لأنه كان يعلم أن موسىٰ عليه السلام كان أول من انهزم في مقابلة العمالقة، فقال: يا رب ماهذا؟ قال:

لا أبالي، أي:هذه سنتي، قد يكون النبي غالبًا وقد يكون مغلوبًا. نعم إنما تكون العاقبة للأنبياء، ففتح اللّٰه في زمن يوشع عليه السلام"۔

"خوب جان لو کہ ہرقل انبیاءؑ کے حالات اور تورات کا علم رکھتا تھا۔ اسی لئے اس نے (احد کے دن) اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزیمت کو آپؐ کے جھوٹا ہونے کی دلیل نہیں گردانا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی پہلی مرتبہ عمالقہ کے مقابلے میں شکست کھائی تھی، پھر اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا کہ: اے میرے رب! یہ کیا ہوا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ: مجھے (فتح وشکست سے) کوئی غرض نہیں۔ یعنی: فتح وشکست کو گردش میں رکھنا میری سنت ہے، پس نبی کبھی غالب بھی ہوسکتا ہے اور کبھی مغلوب بھی۔ ہاں! انجامِ کار بالآخر انبیاء ہی کے حق میں نکلتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آخر کار یوشع علیہ السلام کے زمانے میں فتح نصیب فرمائی"۔

(فيض الباري شرح صحيح البخاري، باب ذكر حديث هرقل)

غلبہ وتمکین بالآخر اہلِ ایمان ہی کا مقدر ہے!

قرآنِ کریم جہاں ایک طرف گردشِ ایام کی یہ الٰہی سنت بیان کرتا ہے، وہیں یہ بھی واضح کرتا ہے کہ کفار کے غلبے اور اہلِ ایمان کی آزمائش کا مرحلہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہوجائے، بالآخر فتح اہلِ ایمان ہی کا مقدر ہوتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جس سے بڑھ کر سچا وعدہ کسی کا نہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِى لَا يُشْرِكُوْنَ بِى شَيْئًاوَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾(النور:۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور ان کے لئے ضرور ان کے اس دین کو تمکین بخشے گا جو اس نے ان کے لئے چنا ہے، اور ان کی حالتِ خوف کو ضرور امن سے بدل ڈالے گا، پس وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔

امام بیضاویؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ﴾ أي: ليجعلنهم خلفاء متصرفين في الأرض تصرف الملوك في مماليكهم''.

''﴿(اللہ) انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کو ضرور ایسی خلافت بخشے گا کہ وہ زمین میں یوں (آزادانہ) تصرف کریں گے جیسے بادشاہ اپنے زرخرید غلاموں میں تصرف کرتے ہیں''۔

(أنوار التنزيل و أسرار التأويل للإمام ناصر الدين البيضاوي، في شرح سورة النور)

پس اہلِ ایمان اگر نصرتِ الٰہی ساتھ لینے کے تمام اسباب اختیار کریں، ایمان اور عملِ صالح کی شرط پوری کریں، میسر اسباب کو اختیار کرنے اور استطاعت بھر تیاری کرنے کا فرض نبھائیں، ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کریں اور آپس کے جھگڑوں سے اجتناب کریں تو اللہ جل جلالہ انھیں ضرور فتح نصیب فرماتے ہیں...... ہاں! فتح سے قبل آزمائشوں کا مرحلہ طویل اور نہایت صبر آزما بھی ہوسکتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے اللہ تعالیٰ درج ذیل آیتِ مبارکہ میں بیان فرماتے ہیں، جس کے ہر ہر لفظ پر ٹھہر کر اس کے معانی میں غور و تدبر کرنا لازم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (یوسف:۱۱۰)

''یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی، پھر جسے ہم نے چاہا نجات ملی، اور مجرم قوم سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جاسکتا''۔

یہ تو میدانِ جہاد کا عملی مشاہدہ بھی ہے کہ اللہ کی نصرت بالعموم بھرپور آزمائش کی بعد ہی نازل ہوتی ہے...... ایسی سخت آزمائش جس میں ثابت قدم رہنا، مایوسی سے بچنا اور رب کے وعدوں پر یقین قائم رکھنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے، الا یہ کہ اللہ اپنا خاص فضل فرمائے۔ لیکن جو اصحابِ عزیمت اس مرحلے میں توفیقِ الٰہی سے ڈٹے رہیں، اللہ کے وعدوں پر اپنا یقین متزلزل نہ ہونے دیں، تو اللہ ان کے قدموں کو مزید ثبات بخشتا ہے اور فتح و نصرت اور غیبی تائید کے دروازے کھول دیتا ہے۔

فتح وشکست سے زیادہ اپنی فکر کیجئے!

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ محض تماش بین بن کر یہ تجزیہ کرنے کی بجائے کہ جیت کون رہا ہے اور ہار کون؟ کتنے طالبان شہید ہو گئے اور کتنے باقی ہیں؟...... ہر مسلمان اس امر پر توجہ مرکوز کرے کہ کفر و اسلام کی اس کشمکش میں وہ کہاں کھڑا ہے؟ کیا آج، جب اللہ مومنوں اور منافقوں کو چھانٹ کر علیحدہ کر رہے ہیں، وہ اپنا نام اہلِ ایمان کی فہرست میں لکھوا پایا ہے؟ کیا آج، جب اللہ جل جلالہ شہداء کا انتخاب کر رہے ہیں، اس نے بھی اس سعادت کے لئے اپنی گردن پیش کر دی ہے؟ کیا اس نے دنیاوی نتائج سے بے نیاز ہو کر، وہ فرائض ادا کر دیئے ہیں جو آج کے حالات میں شریعت اس پر عائد کرتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ وہ فتح وشکست سے زیادہ شریعت کو تھامے رکھنے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی فکر کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ. اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ. فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْ اُوْحِیَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

(الزخرف:۴۱۔۴۳)

''پھر اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے گئے تو ہم (آپ کے بعد) خود ان سے انتقام لے لیں گے۔ یا ہم آپ کو (آپ کی زندگی ہی میں) وہ (عذاب) دکھا دیں گے جس کا ہم نے ان (کفار) سے وعدہ کر رکھا ہے، تو بلاشبہ ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ بس اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رکھیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں''۔

علامہ زمخشریؒ اس آیت کے ذیل میں جو قیمتی باتیں لکھتے ہیں، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ آج انھیں اپنا دستور العمل بنا لے:

''والمعنى: وسواء عجلنا لك الظفر والغلبة أو أخرنا إلى اليوم الآخر، فكن مستمسكاً بما أوحينا إليك وبالعمل به فإنه الصراط المستقيم الذي لا يحيد عنه إلا ضالٌ شقي، وزد كل يوم صلابة فى المحاماة على دين اللّٰه، ولا يخرجك الضجر بأمرهم إلى شيء من اللين والرخاوة في أمرك، ولكن كما يفعل الثابت الذي لا ينشطه تعجيل ظفر، ولا يثبطه تأخيره''.

''ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ: خواہ ہم تمہیں دنیا ہی میں کامیابی وغلبہ نصیب فرمادیں یا اس کامیابی کو آخرت کے دن تک مؤخر کردیں، ہر دو صورت میں تمہارا فرض یہ ہے کہ تم اس وحی کو مضبوطی سے تھامے رکھو جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے اور اسی پر عمل پیرا رہو۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس سے کسی گمراہ و بدبخت شخص کے سوا کوئی نہیں ہٹے گا۔ نیز کوشش کرو کہ دین کی نصرت کے رستے پر تمہاری مضبوطی و استقامت میں ہر دن اضافہ ہو اور ان کفار کی حرکتوں سے تمہارے دلوں پر جو پریشانی و اکتاہٹ طاری ہوتی ہے وہ تمہارے مؤقف میں معمولی سی نرمی و لچک بھی پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بنے۔ تمہارا حال تو اس ثابت قدم بندۂ مومن کی طرح ہونا چاہیے، فتح کا جلد مل جانا جس کی چستی میں اضافہ نہیں کرتا اور فتح میں تاخیر ہونا جس کی سستی کا باعث نہیں بنتا''۔

(الكشّاف للزمحشريؒ، في شرح سورة الزخرف: الآية رقم: ۴۳)

کیا آپ اس جنگ میں پرچمِ شریعت تلے کھڑے ہیں؟

آج پاکستان میں ایک ایسی جنگ جاری ہے جس کے دونوں فریق بالکل واضح پرچم تھام کر میدان میں اترے ہیں۔ حق کو پہچاننا آج قطعاً بھی مشکل نہیں رہا، امتحان تو بس اتنا ہے کہ کیا ہم حق کو حق کہنے اور اس کا ساتھ دینے کی جرأت رکھتے ہیں؟ آج ایک جانب فوج، سیاست دانوں اور بیوروکریٹ طبقے پر مشتمل وہ شیطانی تکون ہے جو چند نہایت واضح اہداف لے کر میدان میں اتری ہے:

۱۔ ''پاکستان کو بین الاقوامی قوانین اور عالمی اصولوں کی پاسداری کرنے والی جدید ریاست بنانا'' (تاکہ ''عالمی برادری'' کی نگاہ میں پاکستان ایک ''مہذب'' ملک قرار پا سکے)۔ بالفاظِ دیگر: پاکستان کو امریکہ و برطانیہ جیسے صلیبی ممالک اور آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور اقوامِ متحدہ جیسے یہودی اداروں کی مکمل غلامی میں دینا، اور ان سے ایک اچھا غلام ہونے کی باقاعدہ سند لینا۔

۲۔ ''ریاستی رٹ کی بحالی''، بالفاظِ دیگر: برطانیہ کے چھوڑے ہوئے کفریہ جمہوری، سرمایہ دارانہ نظام کی ہر قیمت پر حفاظت کرنا۔

۳۔ ''دہشت گردی اور شدت پسندی کے خلاف جنگ''، یعنی: نہ صرف جہاد و اہلِ جہاد کے خلاف جنگ بلکہ ہر اس فرد، جماعت اور ادارے کے خلاف جنگ جو اسلام کی تمام جدید تعبیریں

رد کرے اور دین کو ویسے ہی سمجھے اور سمجھائے جیسے صحابہؓ وتابعینؒ نے سمجھا (خواہ وہ مساجد و مدارس ہوں، یا حق گو علماء اور داعیانِ دین)۔

ایک جانب کفر کی داعی یہ شیطانی تکون ہے تو دوسری جانب مجاہدین فی سبیل اللہ، ان کی کھلی یا چھپی پشت پناہی کرنے والے داعیانِ دین وعلماء اور ان کی مالی معاونت کرنے والے اہلِ خیر اغنیاء پر مشتمل وہ رحمانی تکون ہے، جس کے اہداف ومقاصد بھی اب کسی سے پوشیدہ نہیں:

۱۔ پاکستان، افغانستان اور بتدریج سارے عالم کو امریکہ اور تمام دیگر صلیبی، یہودی ومشرک قوتوں کے بالواسطہ وبلاواسطہ تسلط سے آزاد کرانا۔

۲۔ جمہوری وسرمایہ دارانہ ریاستی نظام کو بالکلیہ ملیامیٹ کر کے خالص شرعی بنیادوں پر خلافت کا نظام قائم کرنا، اور علماء کی قیادت ورہنمائی میں رب کی زمین پہ رب کی شریعت اور عقیدۂ توحید کی حاکمیت نافذ کرنا۔

۳۔ شرعی منہج کے مطابق جہاد جاری رکھتے ہوئے ہر ممکنہ محاذ پر جدید صلیبی حملہ آوروں اور ان کے مرتد معاونین کا مقابلہ کرنا، امت کے دین، جان، مال اور عزت کا دفاع کرنا اور اس وقت تک قتال جاری رکھنا جب تک دین تنہا اللہ ہی کے لئے خالص نہ ہو جائے۔

پس ''زمینی حقائق'' کو ''آسمانی حقائق'' کی روشنی میں دیکھنے والا کوئی شخص بھی ان دونوں گروہوں کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کھا سکتا۔ دجالی ذرائع ابلاغ امت کو کتنا ہی گمراہ کیوں نہ کرنا چاہیں، قرآن سے پیوستہ اور اس کو کِتَابٌ لَا رَيْبَ فِيهِ سمجھنے والا بندۂ مومن کبھی یہ حقیقت فراموش نہیں کرسکتا کہ پاکستان و افغانستان میں جاری یہ جنگ کفر واسلام کی ایک ایسی واضح جنگ ہے جس میں ''غیر جانبدار'' رہنے اور محض تبصروں وتجزیوں پر اکتفا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ جنگ محض سوات، وزیرستان اور قبائل کے مجاہدین کی جنگ نہیں، یہ محض طالبان اور القاعدہ کا مسئلہ نہیں، یہ فقط امیر بیت اللہ محسود رحمہ اللہ اور مولانا فضل اللہ سلّمہٗ اللہ کی ذمہ داری نہیں...... یہ تو پاکستان اور پورے عالم میں بسنے والے ہر صاحبِ ایمان کی جنگ ہے، ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے، ایمان کے بعد اہم ترین فرضِ عین ہے۔ یہ تو اس سرزمین کو شرک کی نجاست، کفر کے غلبے اور امریکی غلاموں کے تسلط سے آزاد کرانے کی جنگ ہے...... اللہ اور اس کے رسولﷺ سے محبت کرنے والی اس قوم کو لا الہ الا اللہ کی حاکمیت دلانے کی جنگ ہے...... نفاذِ شریعت اور غلبۂ اسلام کی

جنگ ہے......علماء کا وقار اور مسلم معاشرے پر ان کی سیادت بحال کرانے کی جنگ ہے......اہلِ دین کو عزت دلانے اور اہلِ فسق وفجور کو رسوا کرنے کی جنگ ہے......امت کے لوٹے ہوئے وسائل مسلمانوں کو واپس دلانے کی جنگ ہے...... یہ جنگ میری بھی ہے اور آپ کی بھی! اس جنگ میں مجاہدین فتح یاب ہوئے تو یہ تمام اہلِ دین کی فتح ہوگی، اور نعوذ باللہ یہ ابنائے امت شکست کھا گئے تو پھر اس ملک کو بھی ترکی یا مصر میں تبدیل ہونے سے کوئی نہ روک پائے گا، إلا أن يشاء الله ۔ پس اٹھیے اور شریعت کے پرچم تلے کھڑے ہو کر اپنی نجات اور دین کی سربلندی کا انتظام کیجیے!

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضہم ببعض

کیا جہاد کئے بغیر بھی ''امن'' کا قیام اور ''فساد'' کا خاتمہ ممکن ہے؟

محمد مثنّٰی حسّان

مغرب کی تہذیبی یلغار کے مہلک اثرات

عصرِ حاضر میں دنیا کے حالات پر نگاہ دوڑانے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت امریکہ ومغرب اوران کی دجالی تہذیب زندگی کے ہر پہلو پر یلغار کئے ہوئے ہیں۔اوراگراس یلغار کے اثرات کو دیکھنا مقصود ہوتو امتِ مسلمہ کی دگرگوں صورتحال کو دیکھا جاسکتا ہے۔آخراس یلغار کا براہِ راست ہدف امتِ مسلمہ ہی کیوں ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ امت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دینِ حق یعنی دینِ اسلام کا وارث بنایا ہےاوراسے دنیا میں اپنی نیابت اورامامت کے لئے منتخب کیا ہے۔ حق کی بالادستی کا مطلب باطل کا نابود ہونا ہےاور بیشک باطل تو ہے ہی نابود ہونے کے لئے ،**إن الباطل کان زھوقًا** ۔اب ایسے میں باطل کی اصل ٹکراسی حق کے ساتھ ہوگی اوروہ اپنے تیروں کا رخ اوراپنی تلوار کی نوک اِسی حق کی جانب رکھے گا تا کہ اپنی بقا کوممکن بنا سکے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

آج باطل کا پرچم امریکہ کی قیادت میں پورے مغرب اوراس کی دجالی تہذیب کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی جنگ کسی ایک مسلم ملک یاچندممالک کے ساتھ نہیں بلکہ ''**إن ھذہ أمتکم أمة واحدة**'' کی مخاطب پوری امت اوردینِ اسلام کے ساتھ ہے۔اور یہ وہ حقیقت ہے جو ہر مسلمان کوآج اچھی طرح خاطرنشین کر لینی چاہیئے۔

باطل جہاں اس جنگ کوعسکری میدانوں میں لڑ رہا ہے، بایں وقت فکری محاذوں پر بھی مغربی تہذیب کے علمبردار مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔اس فکری جنگ کا کوئی ایک پہلونہیں بلکہ مسلمانوں کی

سیاست سے لے کر معاشرت اور معیشت سے لے کر مذہب تک...... ہر پہلو سے مغربی تہذیب مسلمانوں کے اسلامی نظریات کو بری طرح پراگندہ و گدلا کر رہی ہے۔ باطل کی اس فکری جنگ میں ان کی سب سے بڑی خدمت مسلم خطوں میں موجود مغرب زدہ افراد سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے امریکہ و مغربی تہذیب کی بالا دستی کو دل وجاں سے قبول کر چکے ہیں اور چاہتے کہ امتِ مسلمہ بھی اب اسی فاسد تہذیب کو اپنا لے۔ ان میں سیکولر سیاسی جماعتیں، فوج اور بیوروکریسی کی اعلیٰ قیادت، ذرائع ابلاغ سے وابستہ صحافی و دانشور، این جی اوز کے ذمہ داران اور جدت پسند ''سکالرز'' شامل ہیں۔ انھی مغرب زدہ افراد کی کاوشوں کی بدولت آج عام مسلمانوں میں اسلام کے لبادے میں بڑے پیمانے پر مغربی لادینی نظریات پھیل چکے ہیں اور عامۃ المسلمین کے لئے حق اور باطل میں تفریق کرنا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

اصطلاحات کی جنگ

باطل کی فکری جنگ کا ایک بڑا حصہ 'اصطلاحات کی جنگ' پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں میں بے شمار جدید اصطلاحات کو خاص معنوں کے ساتھ عام کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح بعض قدیم اصطلاحات کو نئے معنی پہنا کر ان کے ذریعے مخصوص نظریات کو ترویج دی جا رہی ہے۔ پھر اس سے بھی بڑی آفت یہ ہے کہ ان اصطلاحات کے پیچھے چھپے سیکولر نظریات کو اسلام کے مسلمہ نظریات کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، حالانکہ نہ تو اسلام کا ان نظریات سے کوئی تعلق ہے، نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کوئی دلیل اتاری ہے۔

﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾

(النجم:۲۳)

''یہ تو محض (کچھ) نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں، اللہ نے تو ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں کی۔ (درحقیقت) یہ لوگ محض (فاسد) گمان اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس واضح ہدایت آ چکی ہے''۔

نیز مسلم معاشروں میں یہ تمام کام ایسے غیر محسوس انداز سے کیا جا رہا ہے کہ عامۃ المسلمین اس کا

ادراک کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ مغرب کے ہاتھوں میں کھیلتے ذرائع ابلاغ، ان کے پیسوں پر پلتی این جی اوز اور ان کی ہم نوالہ وہم پیالہ سیکولر جماعتیں اِن اصطلاحات کو خوب ملمع سازی کے ساتھ اس تکرار سے استعمال کر رہی ہیں کہ عام مسلمان انھی کے چکر میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ جدت پسند ''دینی اسکالر'' انھی اصطلاحات کو شرعی تعبیر دے کر فکری وعقائدی گمراہی عام کرنے کا پورا انتظام کر رہے ہیں۔ (یہاں ہماری مراد وہ ''سکالر'' ہیں جو سوچے سمجھے انداز میں یہ کام کر رہے ہیں۔)

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (الأنعام:۱۱۲)

''اور اسی طرح ہم نے کچھ شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنایا، وہ ایک دوسرے کے دل میں ملمع شدہ باتیں ڈالتے ہیں، دھوکہ دینے (اور گمراہ کرنے) کے لئے''۔

اس سب کا حتمی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اسلام کے مقابلے میں کفار اور ان کے عالمی نظام کا غلبہ مزید مستحکم ہوتا جا رہا ہے، ان کی تہذیب مسلمانوں میں سرایت کرتی جا رہی ہے، اور مسلمان مغرب سے مرعوبیت اور کفار سے مغلوبیت کے دلدل میں مزید دھنستے جا رہے ہیں۔ انھی اصطلاحات کے ذریعے ایک مقصد یہ بھی حاصل کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں میں کفار کے خلاف پائے جانے والے جذبۂ غیرت وحمیت کو ختم کیا جائے اور انھیں جہاد وقتال فی سبیل اللہ کی راہ سے روک کر دوسرے راستوں میں پھنسا دیا جائے۔ یہ سب مقاصد عملاً کیسے حاصل کیے جا رہے ہیں، اس کا تفصیلی جائزہ ان شاء اللہ ہم آئندہ سطور میں لیں گے۔ پس تمام علمائے حق اور داعیانِ دین پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کو تہذیبِ مغرب کی فکری یلغار سے بچائیں اور ان کی جاری کردہ اصطلاحات کی اسلام کی روشنی میں تنقیح کر کے عامۃ المسلمین کے سامنے ان کی حقیقت آشکارا کریں!

اگر ان اصطلاحات کی فہرست بنائی جائے تو بہت طویل ہو جائے گی کیونکہ آئے روز ہمیں نت نئے نام اور نئے نئے نعرے سننے کو ملتے رہتے ہیں، کبھی امریکہ کے منہ سے اور کبھی اقوامِ متحدہ کے دہن سے۔ پھر ہمارے یہاں پائے جانے والا مغرب زدہ طبقہ بھی بلا سوچے سمجھے انھی اصطلاحات کی جگالی کرنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں: آزادی، مساوات، ترقی، روشن خیالی، اعتدال پسندی، بنیاد پرستی، رجعت پسندی، دہشت گردی، انتہا پسندی، تشدد، ریاستی رٹ، غیر ریاستی عناصر، ملکی مفاد، جمہوری

روایات، عسکریت پسند، مہذب ممالک، فلاحی ریاست، انسانی حقوق، وغیرہ۔ انھی اصطلاحات میں 'امن' اور 'فساد' کی اصطلاحات بھی شامل ہیں جنھیں آج مسلم دنیا میں کثرت سے استعمال کیا جارہا ہے، بالخصوص ان علاقوں میں جہاں امریکہ ومغرب کے خلاف جہاد وقتال کی ابتداء ہوچکی ہے۔ کیا کسی نے سوچا کہ ایسا کیوں ہے؟ زمان ومکاں کا یہ انتخاب آخر کیوں ہے؟

ذیل میں ہم اسی موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے کہ شریعت کی روشنی میں ''امن'' اور ''فساد'' کی اصطلاحات کے کیا مطالب ہیں جبکہ مغرب مسلمانوں میں اس کے کیا مطالب عام کرنا چاہتا ہے اور کیوں کرنا چاہتا ہے؟ نیز اس حوالے سے شریعت مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد کرتی ہے؟ تاہم اس سے قبل اگر ہم نے ایک نکتے کا تذکرہ نہ کیا تو شاید یہ مضمون نامکمل رہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی اصطلاحات کے مسلمانوں میں فروغ پانے کی وجوہات کیا ہیں؟ ان وجوہ کی نشاندہی اس لئے ضروری ہے تاکہ عامۃ المسلمین ان کا کماحقہ ادراک کرکے ان کا سدِباب کریں۔

ان اصطلاحات کے عام ہونے کی بنیادی وجوہات

اگر ہم غور کریں تو اس کی دو بنیادی وجوہ معلوم ہوتی ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جس زمانے میں آنکھ کھولی ہے اس میں پچھلی ایک صدی سے اسلام اور شریعت کو کبھی عملاً نافذ نہیں دیکھا گیا (البتہ طالبانِ عالی شان کا چند سالہ دورِ امارت اس سے مستثنیٰ ہے)۔ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط سے لے کر اب تک ہم نے مسلسل استبدادی کفار کے ہاتھوں غلامی ہی دیکھی ہے اور اس غلامی نے ہمارے اذہان میں اسلام کی اصل روح اور اس کی حقیقی تصویر کو کافی حد تک مجروح کردیا ہے۔ نتیجتاً عامۃ المسلمین کے افکار وعقائد میں بہت سے ایسے نظریات نے جگہ پالی ہے جن کا درس دراصل ہمیں کفارِ مغرب نے دیا تھا۔ کفارِ مغرب اور ان کے مقامی آلہ کاروں نے ان نظریات کو انتہائی ملمع سازی کے ساتھ مزین اور آراستہ اصطلاحات کی صورت میں مسلمانوں میں داخل کردیا حالانکہ اسلام ان نظریات سے کلیتاً بری تھا۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

دوسری وجہ یہ رہی کہ خلافتِ عثمانیہ کو ختم کرنے کے بعد اگلے مرحلے میں کفار نے اپنے ایجاد کردہ نظام

کو مسلم خطوں میں بالجبر رائج کرنا شروع کر دیا۔ آغاز میں مسلمانوں نے ان کے خلاف بہت سی تحریکات شروع کیں مگر مسلمانوں کی آستینوں میں پائے جانے والے سانپوں یعنی کفار کے باوفا خادموں، آلہ کاروں کی بدولت آہستہ آہستہ یہ تحریکات دم توڑتی گئیں۔ نتیجتاً مسلم خطوں میں مغرب کا عالمی نظام مکمل طور پر نافذ ہو گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر عملی میدان میں مسلمان اس نظام کا حصہ بنتے گئے۔ پھر جو کچھ اس نظام نے انھیں دیا، وہ انھوں نے اپنالیا۔ اسی تسلسل میں جو اصطلاحات مغرب نے انھیں دیں (اور جن معنوں اور نظریات کے ساتھ دیں)، انھوں نے وہ اپنالیں، بغیر یہ دیکھے کہ اسلام ان کی بابت کیا کہتا ہے۔

پس انہی وجوہات کی بدولت آج مغرب کی عطا کردہ اصطلاحات اور ان کے ہمراہ بہت سے باطل عقائد و نظریات ہمارے معاشروں میں در آئے ہیں۔ پھر یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد (نظری طور پر تو) اسلام کو اپنا 'دین' سمجھتی ہے مگر (انجانے میں) عملاً اسے صرف ایک 'مذہب' کی حیثیت دیتی ہے جس کا تعلق فقط نماز، صیام، زکوۃ و دیگر انفرادی عبادات سے ہے۔ رہے امورِ سلطنت، سیاست، معیشت اور معاشرت کے عملی میدان تو ان میں مغرب کا مروجہ عالمی نظام ہی ٹھیک ہے اور اسلام کو اس سے کوئی تصادم نہیں! اسی کیفیت کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے مسلمانانِ ہند کو مخاطب کر کے کہا تھا:

ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

لہٰذا اگر آج کوئی ان امور کی بابت اسلام کی حقیقی تعلیمات کو واضح کرے اور اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو صحابہؓ و تابعینؒ اور علمائے راسخین کے فہم کی روشنی میں سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہونا چاہے تو عامۃ المسلمین کو یہ بات بہت عجیب اور نامانوس سی لگتی ہے۔ پھر اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغرب زدہ لوگ ان پر دہشت گردی، انتہا پسندی، بنیاد پرستی، امن خراب کرنے اور فساد برپا کرنے کے عنوانات چسپاں کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی کے سبب عامۃ المسلمین بھی حق کو پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔

'امن' اور 'فساد'

اب دوبارہ ہم اپنے موضوع کی جانب لوٹتے ہیں۔ آج مسلمانوں کو بڑے شد و مد سے امن کا پیغام دیا جا رہا ہے اور دنیا سے فساد کو ختم کرنے کا درس دیا جا رہا ہے۔ آج امتِ مسلمہ کی حقیقتِ حال کو بیان کریں تو افسوس کے ساتھ وہ یہ ہے کہ ہمارے سروں پر مغرب کا نظامِ کفر مسلط ہے اور ہمارا دینِ اسلام مغلوب ہے۔ مگر اللہ کی سنتِ عالیہ کے عین مطابق آج بھی اس کے کچھ مومن بندے کفار کے خلاف ڈٹے ہوئے ہیں اور دنیا بھر میں، بالخصوص اسلامی ممالک میں ان کے نظامِ عالم کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ایسے میں مسلمانوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ یہ مجاہدین دراصل 'غیر ریاستی عناصر' ہیں جو فساد پھیلا رہے ہیں اور دنیا کے امن کو خراب کر رہے ہیں۔ اس بات کو مغرب نے اتنا فروغ دیا ہے کہ اب مسلمانوں کی فضا میں بھی اسی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ مسلمانوں کی فضاؤں پر حاوی ذرائع ابلاغ، این جی اوز اور جدت پسند اسکالر ہر مسلمان کو سمجھا رہے ہیں کہ اس وقت جمہوریت و سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے اور اسلام کے غلبے کے لئے لڑنے والے درحقیقت فساد پھیلا رہے ہیں اور ہمارے علاقوں کا امن برباد کر رہے ہیں۔ لہٰذا اپنے خطوں کا امن برقرار رکھنا ہے تو ایسوں کو فساد پھیلانے سے باز رکھنا ہوگا۔ یہ ہیں وہ 'امن' اور 'فساد' جن کا راگ آج الاپا جا رہا ہے تاکہ دنیا میں کفار اپنے نظام کی بقاء کو یقینی بنا سکیں، اور افسوس کہ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی بھی اس فکری یلغار سے شدید متاثر ہو رہے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ شریعت میں امن اور فساد کے معانی کیا ہیں۔

امن

امن دراصل سکون کے حاصل ہونے اور خوف کے زائل ہونے کو کہتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کے نقصان کے خوف کا زائل ہونا شامل ہے، اسی طرح دشمن کے خوف اور آفات و مصائب کے خوف کا ختم ہونا بھی اسی کا حصہ ہے۔ یقیناً امن اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کا مل جانا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جب بھی ہم نئے مہینے کا چاند دیکھیں تو اللہ کے حضور دعا کریں کہ:

أللّٰهم أهلّه علينا بالأمن والإيمان والسلامة والإسلام......

''اے ہمارے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع کیجئے''۔

امن مشروط بہ ایمان

امن کے دو پہلو ہیں۔ ایک کا انسان کی انفرادی زندگی سے تعلق ہے اور دوسری کا معاشرے کی اجتماعی زندگی سے۔ جب ہم شریعت کی جانب رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے لئے مطلق امن کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان اور اسلام کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ یعنی چونکہ امن کی نعمت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں امن صرف مومنین کے لئے ہے۔ کفار کو تو اللہ تعالیٰ نے نہ دنیا میں اپنے عذاب سے امن میں رکھا ہے اور نہ ہی روزِ قیامت ان کے لئے کسی قسم کا امن ہوگا۔ نیز دنیا میں ان کے مقدر میں مومنین کے ہاتھوں ذلت لکھ دی ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ عارضی مہلت کے طور پر انھیں کہیں امن مل جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الأنعام:۸۱،۸۲)

''سو (اہلِ ایمان اور کفار کی) دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو؟ (پس) جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت کی راہ پر ہیں''۔

اس آیت میں مذکورہ امن کا مطلب ابن عاشورؒ (م۱۳۹۳ھ) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''والمراد الأمن من عذاب الدنیا بالإستیصال ونحوه وما عذبت به الأمم الجاحدة، ومن عذاب الأخرة......''.

''(یہاں امن سے) مراد ہے؛ دنیا کے عذابوں سے امن یعنی (دنیا کے) نقصانات وغیرہ سے اور ان عذابوں سے جن میں اممِ کفار کو مبتلاء کیا جاتا ہے، اور (اسی طرح) آخرت کے عذاب سے (بھی) امن''۔

(التحریر والتنویر؛ سورة الأنعام، آیة ۸۲)

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ ابوسعود حنفیؒ (م۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

''أي: أولٓئك الموصوفون بما ذكر من الإیمان الخالص عن شوب الشرك لهم

الأمن فقط وهم مهتدون إلى الحق، ومن عداهم في ضلال مبين".

''یعنی یہ لوگ جو شرک کی ہر ملاوٹ سے پاک ایمانِ خالص سے متصف ہیں، فقط انھی کے لئے امن ہے اور یہی راہِ حق کی جانب ہدایت یافتہ ہیں، اور جو ان سے دشمنی کریں تو وہ صریح گمراہی میں ہیں''۔

(إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم؛ سورة الأنعام، آية ۸۲)

چنانچہ پہلی چیز ہم نے یہ جانی کہ مطلق امن کچھ معنی نہیں رکھتا یعنی انسان اگر ایمان اور اسلام کو چھوڑ کر امن کا تصور کرے تو یہ خام خیالی اور عبث بات ہے۔ رب سے سرکشی اور وحی کے انکار کا راستہ اختیار کرنے کے بعد امن وسکون میسر آنا محال ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کفار و فجار انفرادی و اجتماعی، ہر سطح پر امن و سکون سے محروم ہیں۔ ان کی انفرادی زندگیوں میں جھانکیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ دنیا کی سب آسائشیں ملنے کے باوجود بھی نفسیاتی امراض میں مبتلا اور ذہنی دباؤ سے چھٹکارا پانے کے لئے ادویات لینے پر مجبور ہیں۔ جبکہ اجتماعی سطح پر دیکھیں تو ان کے خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں، ان کے معاشروں میں قتل اور خودکشی کی شرح ناقابلِ یقین حد تک زیادہ ہے، زنا بالجبر کے واقعات ایک معمول بن چکے ہیں ......اور مجاہدینِ اسلام کی ضربوں کا خوف اس سب کے علاوہ ہے۔ یہ حال تو ان کا دنیا میں ہے، اور آخرت میں بھی ابدی غم اور تکالیف ہی ان کی منتظر ہیں۔

تاہم یہاں یہ بات ذہن میں کھٹکتی ہے کہ اگر امن ایمان کے ساتھ مشروط ہے تو اہلِ ایمان کو امن کیسے نصیب ہوگا جبکہ کفار ہر وقت ان سے برسرِ جنگ رہتے ہیں اور انھیں فساد میں مبتلا کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں؟ سو جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کیا ہے کہ امن کے دو پہلو ہیں۔ ان میں سے پہلا ایک مومن کا انفرادی زندگی میں امن کا حصول ہے، تو یہ ایمان کی لذت کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ غزوۂ بدر میں جبکہ مشرکینِ مکہ کا تین گنا بڑا لشکر مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا تھا تو اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے دلوں سے مشرکین کا خوف زائل کیا اور انہیں امن کی نعمت سے بہرہ ور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ......﴾ (الأنفال:۱۱)

''اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے امن وسکون دینے

کے لئے‘‘۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں بھی مومنین کے دلوں اور جسموں پہ امن وطمانیت کی نعمت اتاری، جس کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ (آل عمران:۱۵۴)

’’پھر اس نے غم کے بعد تم پر امن اتارا اور تم میں سے ایک جماعت کو طمانیت کی نیند آنے لگی‘‘۔

امام ابن کثیرؒ (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

’’**وكأن ذلك سجية للمؤمنين عند شدة البأس لتكون قلوبهم آمنة مطمئنة بنصر اللّٰه. وهذا من فضل اللّٰه ورحمته بهم ونعمه عليهم**‘‘.

’’اور یہ چیز تو مومنین کی طبیعت میں شامل ہوگئی تھی کہ شدتِ لڑائی میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کے دل امن واطمینان کا پیکر ہوتے تھے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تھی، اور ان کو عطا کردہ نعمت تھی‘‘۔

(تفسير ابن كثير؛ سورة الأنفال، آية ۱۱)

اب جبکہ عین حالتِ جنگ میں بھی اہلِ ایمان کو قلبی امن وطمانیت حاصل ہوتی ہے تو یقیناً جنگ کے علاوہ دیگر حالات میں بھی ایمان ہی انفرادی امن کا موجب ہوتا ہے۔ یہ تو انفرادی امن کی بات ہوئی، اب دوسرا مسئلہ باقی ہے کہ معاشرتی سطح پر امن کیسے حاصل ہوگا۔

امن مشروط بہ خلافت

اگر ہم سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں تو اس کا جواب بھی ہمیں بآسانی مل جاتا ہے۔ معاشرتی سطح پر امن قائم ہونے کی صورت یہی ہے کہ دنیا سے کفر وشرک کے خاتمے اور اللہ کے کلمے کی سربلندی کی خاطر جہاد کے نتیجے میں جب نظامِ خلافت قائم ہوگا، تو یہی دنیا میں اہلِ ایمان کے لئے امن کے حصول کا موجب بنے گا۔ یعنی معاشرتی سطح پر امن کا قیام خلافت ہی سے منسلک ہے۔

جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ میں مشرکین کے ہاتھوں ستائے گئے اور پھر مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی تمام مشرکینِ حجاز اور یہود کے ساتھ جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے

انھیں تسلی دیتے ہوئے بشارت دی:

﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِى لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور:۵۵)

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا، جیسے کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی، اور یقیناً ان کے لئے ان کے دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے وہ ان کے لئے پسند فرما چکا ہے، اور ان کے خوف وخطر کو امن وامان سے بدل دے گا، کہ میری عبادت کرتے رہیں گے (اور) میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں''۔

قریباً تمام مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت ابو عالیہؒ کی یہ روایت بیان کی ہے:

''كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه بمكة نحوًا من عشر سنين، يدعون إلى اللّٰه وحده وعبادته وحده لا شريك له سرا وهم خائفون، لا يؤمرون بالقتال، حتى أمروا بعد بالهجرة إلى المدينة، فقدموا المدينة، فأمرهم اللّٰه بالقتال، فكانوا بها خائفين يمسون في السلاح ويصبحون في السلاح، فغيروا بذلك ما شاء اللّٰه. ثم إن رجلا من أصحابه قال: يا رسول اللّٰه! أبد الدهر نحن خائفون هكذا؟ أما يأتي علينا يوم نأمن فيه ونضع عنا (فيه) السلاح؟ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لن تغبروا إلا يسيرا حتى يجلس الرجل منكم في الملأ العظيم محتبيًا ليست فيهم حديدة.

وأنزل اللّٰه هذه الآية، فأظهر اللّٰه نبيه على جزيرة العرب، فأمنوا ووضعوا السلاح. ثم إن اللّٰه عز وجل قبض نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم فكانوا كذلك آمنين في إمارة أبي بكر وعمر وعثمان حتى وقعوا فيما وقعوا وكفروا النعمة،

فأدخل (اللّٰه) عليهم الخوف الذي كان رفع عنهم".

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ دس سال تک مکہ میں رہے، اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت دیتے رہے، لیکن یہ عرصہ اس حال میں گزرا کہ خوف اور بے اطمینانی نے انھیں گھیر رکھا تھا اور ابھی جہاد کا حکم بھی نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا، لہٰذا ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں جہاد کا حکم دیا، (جہاد شروع ہوا۔ دشمنوں نے چونکہ چہار طرف سے گھیرا ہوا تھا تو) اہلِ اسلام بہت خائف تھے۔ خطرے سے کوئی وقت خالی نہ جاتا تھا اور صحابہ کرامؓ صبح و شام ہتھیاروں سے لیس رہتے تھے۔ ایک صحابیؓ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خوفزدہ رہیں گے؟ کیا ہمیں کبھی اتنا سکون میسر نہیں آئے گا کہ کہ ہم بے خوف ہو کر ہتھیار رکھ سکیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کچھ دن اور صبر کر لو) پھر اس قدر امن و اطمینان ہو جائے گا کہ تم بھری مجلس میں میں گھوٹ لگائے بیٹھے ہو گے اور کسی کے پاس بھی ہتھیار نہ ہوگا۔

یہ آیت انہی حالات میں اتری، پھر (کچھ ہی عرصے میں) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۂ عرب پر غالب آ گئے، مسلمانوں کے دل خوف سے خالی ہو گئے اور ہتھیار ہر وقت لگائے رہنا ضروری نہ رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا، تاہم لوگ اس کے بعد بھی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں کامل امن و امان میں رہے۔ پھر مسلمان ان جھگڑوں میں پڑ گئے جو (بعد میں) رونما ہوئے اور (خلافت کی) نعمت کی قدر نہ کی۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ اسی خوف میں مبتلا کر دیا جس سے انہیں نجات دی گئی تھی"۔

(ذكره الطبري والسمرقندي وابن كثير وغيرهم، واللفظ من الدر المنثور للسيوطي)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ تمکین حاصل ہونے سے پہلے اس حال میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ انھیں کفار کا خوف مستقل دامن گیر رہتا تھا۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عائد کردہ فریضے کی ادائیگی یعنی دنیا سے کفر و شرک کے خاتمے اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لئے جہاد و قتال کرتے رہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں بشارت دی کہ وہ انھیں جلد زمین میں خلافت عطا فرمائیں

گے اور یوں انھیں امن میسر آ جائے گا۔ پھر مشیتِ الٰہی کے عین مطابق یہی ہوا۔ مسلمانوں کو معاشرتی سطح پر اسی وقت امن میسر آیا جب زمین میں خلافت قائم ہوئی۔ اسی کا تذکرہ حضرت ابو عالیہؒ نے اپنی روایت کے دوسرے حصے میں کیا ہے۔ نیز آپ نے یہ بات بھی واضح کی ہے کہ جب مسلمانوں نے اس خلافت کی نعمت کی قدر نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان سے امن چھین لیا اور انھیں خوف میں مبتلا کر دیا۔

اسلامی خلافت کی برکات اور اس کی بدولت امن وامان کے قیام پر مزید گفتگو مضمون کے آخر میں دوبارہ کریں گے۔ فی الحال ہم یہاں سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک قابلِ قدر مثال کا تذکرہ کرتے چلیں جس کے آئینے میں ہمیں خود ہی موجودہ دور میں امن کے حوالے سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا شافی جواب مل جائے گا۔

قریشِ مکہ کی مثال

امن کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے قریشِ مکہ کی مثال بہت ہی خوب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ پر بے حد احسان کیا تھا اور انھیں پورے حجاز میں ایک خاص مقام عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں 'امن' کی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی۔ اس حال میں جبکہ مکہ کے علاوہ حجاز کے دیگر علاقوں میں بدامنی، خوف اور جنگ کی صورتحال رہتی تھی، یہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے سبب امن میں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے تجارتی قافلے بھی امن کے ساتھ شام اور یمن جایا کرتے تھے اور انھیں کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ اسی احسان کو اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ......﴾

(العنکبوت:٦٧)

''کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کا گہوارہ بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گردونواح سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں......''

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور انھیں دعوت دی کہ وہ توحید اختیار کریں، تنہا رب تعالیٰ کی عبادت کریں اور بتوں اور طواغیت کی پوجا و پرستش ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے احسان یاد دلا کر صرف اپنی ہی عبادت کرنے کا حکم دیا۔

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ . اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ . فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ . الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (سورة قریش)

''چونکہ قریش مانوس ہوئے، یعنی جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس ہوئے......لہٰذا انھیں چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا''۔

اب چاہئے تو یہ تھا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے احسان سے انھیں مکہ میں امن اور عیش میسر تھا تو وہ فوراً یہ الٰہی دعوت قبول کر لیتے مگر افسوس کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احسانات بھول گئے۔

عملاً انھوں نے اپنے رب تعالیٰ کی دعوت کا جواب یہ دیا کہ بیت اللہ کو بتوں سے بھر دیا اور توحید کا صریح انکار کر کے اللہ تعالیٰ سے واضح بغاوت کی راہ اختیار کی۔ پھر اگلا قدم یہ اٹھایا کہ مکہ میں......جو امن کا گہوارہ تھا......اسلام کی دعوت قبول کرنے والے مومنین کے خلاف جنگ شروع کر دی اور سابقین صحابہ کرامؓ کو شدید اذیتیں پہنچانے لگے۔ یوں انھوں نے ام القریٰ یعنی سرزمینِ مکہ کو مومنین کے لئے خوف ودہشت کی جگہ بنا دیا۔

وہ مکہ جہاں ہر خائف انسان امان کے لئے آتا تھا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں دیکھ لیتا تو اسے کچھ نہ کہتا، وہ مکہ جہاں ہر چور، ڈاکو، قاتل ورہزن کو بھی امان مل جاتی تھی......اسلام کے آنے کے بعد خوف ودہشت اور قتل وغارت گری کا مسکن بن گیا۔ کس کے لئے؟ اللہ تعالیٰ کے مخلص مومنین بندوں کے لئے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔

اور جہاں تک ان کا قولی جواب ہے تو وہ عملی جواب سے بھی زیادہ قابلِ تعجب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے ہمیں ان کے جواب سے آگاہ کرتے ہیں:

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا......﴾ (القصص:۵۷)

''کہنے لگے کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لئے جائیں گے......''

غور کیجئے کہ قریش نے کیا حجت بیان کی......وہ قریش جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بیت اللہ کے سائے میں امن وامان کی زندگی بسر کر رہے تھے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کا انکار کر دیا

بلکہ اس نعمت کو کفر وشرک کی خدمت میں لگا دیا۔ چنانچہ کہنے لگے کہ اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لی اور جو ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اسے قبول کر لیا تو عرب کے دوسرے قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہم پر لڑائی مسلط کر دیں گے جس سے ہمارا امن وسکون برباد ہو جائے گا۔ یعنی قریش نے امن وامان کو کفر کے ساتھ وابستہ سمجھا۔ وہ سمجھے کہ ایمان، ہدایت اور اسلام کے آنے سے امن خراب ہو جائے گا اور دشمن ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ دیکھئے کہ شیطان نے انھیں کیسے فریب میں مبتلا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں:

﴿......اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (القصص:۵۷)

''کیا ہم نے انھیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں۔ (اور) یہ ہماری ہی طرف سے بطورِ رزق ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ کچھ نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ نے ہی انھیں حضرت ابراہیمؑ سے لے کر اس وقت تک امن عطا کیا تھا لیکن وہ اس امن کا رشتہ شرک سے جوڑنے لگے اور توحید کو اس لئے ترک کر دیا کہ کہیں اسے قبول کرنے سے ان کا امن خراب نہ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مزید تنبیہ کرتے ہوئے اگلی ہی آیت میں ان سے فرماتے ہیں:

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (القصص:۵۸)

''اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش وعشرت میں اترانے لگیں تھیں۔ یہ ہیں ان کی رہائش گاہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں، اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ لے لینے والے''۔

اور پھر اسی طرح ہوا جس کا تذکرہ امام ابن کثیرؒ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''ولهذا سلبهم الله ما كان أنعم به عليهم، وقتل من قتل منهم ببدر، وصارت الدولة لله ولرسوله وللمؤمنين، ففتح الله على رسوله مكة، وأرغم آنافهم وأذل رقابهم''.

''اور اسی لئے بالآخر اللہ تعالیٰ نے انھیں دی ہوئی نعمتیں ان سے چھین لیں، بدر کے دن ان کے بڑے بری طرح قتل ہوئے۔ زمین اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لئے ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح کروایا اور مشرکین کو ذلیل و پست کر دیا''۔

(تفسير ابن كثير؛ سورة العنكبوت، آية ٦٧)

اب ذرا اس پر غور کیجئے کہ کیا قریش نے جو منطق اور حجت پیش کی تھی، وہ صرف قریش ہی کی منطق تھی؟ نہیں، بلکہ آج بھی بہت سے لوگ اسی منطق کو اپنائے ہوئے ہیں۔ آج ایسے لوگوں کو جب بھی ایمان اور زندگی کے تمام شعبوں میں تطبیقِ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ اسی طرح کی منطق بیان کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی نفاذِ شریعت کی دعوت لے کر اٹھتا ہے اور اس کے لئے جہاد کرتا ہے تو اسے یہی جواب دیا جاتا ہے کہ اس سے امن خراب ہوتا ہے اور پوری دنیا کی مخالفت اٹھانی پڑتی ہے۔ یعنی یہ لوگ اسلام اور شریعت کو چھوڑ کر امن کے متلاشی ہیں۔

یہ صرف اور صرف شیطان کا وسوسہ اور دھوکہ ہے، جو اس نے قریشِ مکہ کو بھی دیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب فتحِ مکہ کے بعد قریش حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو کچھ ہی سالوں میں وہ مشرق و مغرب میں چھا گئے اور امن کا دائرہ کار بڑھتے بڑھتے دنیا کے دیگر خطوں تک پہنچ گیا۔ ہاں!! اتنا ضرور تھا کہ اس امن و سکون کے حصول تک مسلمانوں کو متعدد مراحل سے گزرنا پڑا؛ مکی زندگی میں شدید آزمائشیں اور مظالم سہنے پڑے، مدینہ میں کئی سال تک دشمن کے حملوں اور جہاد و قتال کی سختیوں کا سامنا کیا ......اور بالآخر اسی صبر و استقامت کی بدولت ایک مستحکم نظامِ خلافت قائم اور حقیقی امن و امان حاصل ہوا۔

فساد

جہاں تک فساد کے معانی کا تعلق ہے تو اگر ہم اس کا مکمل احاطہ کرنا چاہیں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی کم پڑ جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فساد ایک بہت وسیع اصطلاح ہے اور قرآنِ کریم میں اسے بہت سے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم کوشش کریں گے کہ اپنے موضوع کو اتنی ہی وسعت دیں جتنا اس مضمون کا دامن ہے اور فساد کے معانی اختصار کے ساتھ اسی حد تک بیان کریں جس حد تک ہمیں شبہات کے ازالے اور غلط فہمیوں کے تدارک کے لئے ضروری ہے۔ تاہم انتہائی اختصار کے ساتھ الفاظ

کی صورت میں ہم قرآن مجید میں بیان کردہ فساد کے معانی یہاں لکھے دیتے ہیں تا کہ قارئین اس سے آگاہ ہو جائیں۔

فساد کے معانی، قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظِ 'فساد' کو درج ذیل معنوں میں بیان کیا ہے:

......کفر و شرک	**النحل ۸۸، المؤمنون ۷۱، الأنبیاء ۲۲**
......دین سے دوری	**المؤمنون ۷۱**
......نفاق	**البقرة ۱۱، ۱۲**
......جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، انہیں توڑ ڈالنا	**الرعد ۲۵، محمد ۲۲**
......ناحق خون بہانا اور کھیتیوں کو تباہ کرنا	**البقرة ۳۰، ۲۰۵، القصص ۴، النمل ۴۸**
......اسراف	**الشعراء ۱۵۱، ۱۵۲، القصص ۷۷**
......مسلمانوں سے دوستی اور کفار سے عداوت میں ضعف	**الأنفال ۷۳**
......ترکِ جہاد	**البقرة ۲۵۱، محمد ۲۲**
...... مال کی چوری	**یوسف ۷۳**
......زمین میں ناحق سرکشی	**القصص ۴، یونس ۸۳**
......جادو	**یونس ۸۱**

یہ تمام فساد کے معانی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بیان کئے ہیں اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہی تمام زمین میں فساد کے پھیلنے کے اسباب ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے اور اگر ان سب میں سے بنیادی سبب ڈھونڈا جائے یا ان اسباب کی کوہان تلاش کی جائے تو وہ ہے کفر و شرک اور دین سے اعراض، جبکہ باقی تمام معانی انھی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔

فساد کا بنیادی سبب؛ شرک اور دین سے اعراض

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر فساد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک اور اس کے دین سے اعراض کی وجہ سے ہے۔ اس کے بالعکس اگر دنیا میں توحید پھیل جائے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے تو تمام

فساد ختم ہو جائے گا۔ آج کی دنیا کے مشاہدے سے ہی بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا میں تمام تر فساد کا سبب کفار و مشرکین کا غلبہ ہے۔ کفارِ مغرب جب علمِ وحی کو چھوڑ کر (نعوذ باللہ) خود خدا بن بیٹھے اور اپنی ناقص عقلوں پر بھروسا کرتے ہوئے اپنا نظام ایجاد کیا تو دنیا فساد سے بھر گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم:۴۱)

''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں (اور شرک) کے سبب فساد پھیل گیا''۔

یہ آیت ہم پر واضح کر دیتی ہے کہ دنیا میں فساد پھیلنے کی وجہ لوگوں کا شرک اور ان کی بداعمالیاں ہیں۔ علامہ نسفیؒ (م۷۱۰ھ) لکھتے ہیں:

''(ظهر الفساد في البر والبحر) نحو القحط وقلة الأمطار والريع في الزراعات والربح في التجارات ووقوع الموتان في الناس والدواب وكثرة الحرق والغرق ومحق البركات من كل شيء (بما كسبت أيدي الناس) بسبب معاصيهم وشركهم''.

''خشکی اور تری میں فساد کا پھیل جانا یعنی قحط، خشک سالی، زرعی آمدنی کی کمی، تجارت کا خسارہ، انسانوں اور چوپایوں کی اموات میں اضافہ، جلنے اور ڈوبنے کے حادثات کی کثرت اور ہر چیز سے برکت کا اٹھ جانا لوگوں کے گناہوں اور شرک کے سبب ہے''۔

(مدارك التنزيل وحقائق التأويل؛ سورة الروم، آية ۴۱)

امام رازیؒ (م۶۰۶ھ) یہ بات مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وجه تعلق هذه الآية بما قبلها هو أن الشرك سبب الفساد كما قال تعالىٰ: ﴿لو كان فيهما آلهة إلا اللّٰه لفسدتا﴾ [الأنبياء:۲۲] وإذا كان الشرك سببه جعل اللّٰه إظهارهم الشرك مورثا لظهور الفساد، ولو فعل بهم ما يقتضيه قولهم: ﴿لفسدت السموات والأرض﴾ [المؤمنون:۷۱] كما قال تعالىٰ: ﴿تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الأرض وتخر الجبال هدا﴾ [مريم:۹۰]............ واعلم أن كل فساد يكون بسبب الشرك''.

''سابقہ آیت کے ساتھ اس آیت کا تعلق یہ (واضح کرتا) ہے کہ شرک ہی تمام تر فساد کا سبب

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ﴿اگر آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں فساد کا شکار ہو (کر درہم برہم ہو) جاتے﴾'' [الانبیاء:۲۲] اور جب شرک ہی فساد کا سبب ہے (تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے اظہارِ شرک کو فساد ظاہر ہونے کا سبب بنایا اور ان کے شرکیہ قول کے سبب انھیں اس عذاب (وفساد) میں مبتلا کر دیا: ﴿لفسدت السموات والأرض﴾ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں﴾ [مریم:۹۰]............اور خوب جان لو کہ ہر قسم کا فساد شرک کے سبب ہی پیدا ہوتا ہے''۔

(مفاتيح الغيب؛ سورة الروم، آية ۴۱)

لہٰذا معلوم ہوا کہ آج کے دور میں بھی فساد کا سبب یہی شرک ہے۔ آج دنیا بھر میں جو فساد برپا ہے اس کا اساسی سبب 'جمہوریت اور سرمایہ داری' کے شرکیہ نظام کی حاکمیت، اس جدید شرک کے علمبرداروں (یعنی کفارِ مغرب) کا غلبہ اور عقائد واعمال میں شرک وبدعات کی قدیم وجدید صورتوں کا درآنا ہے۔ (یہ بات ہم تفصیل کے ساتھ سابقہ شمارے میں دیئے گئے مضمون میں فتنے کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں)۔ انھی کفار ومشرکین کے سبب دنیا سے تمام برکات اٹھ چکی ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں آنے والے بحران انھی کی بدولت ہیں۔ اگر دنیا سے فساد کو ختم کرنا مقصود ہے تو ان کے کفر وشرک، ان کے نظامِ کفر اور ان کے غلبے کو ختم کرنا ہوگا اور اس سب کی جگہ توحید کو عام اور خلافت کو قائم کرنا ہوگا۔

قانونِ دفعِ فساد

اللہ تعالیٰ نے دنیا سے فساد کو ختم کرنے کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرة ۲۵۱)

''اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''﴿ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض﴾ كما دفع بداود شر جالوت عن بني

اسرائيل ﴿لفسدت الأرض﴾ بأهلها. يقول دفع الله بالنبيين عن المؤمنين شر أعدائهم وبالمجاهدين عن القاعدين عن الجهاد شر أعدائهم ولو لا ذلك لفسدت الأرض بأهلها ﴿ولكن الله ذو فضل﴾ ذو من ﴿على العالمين﴾ بالدفع".

''﴿اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا﴾ مثلاً اگر حضرت داوٗدؑ کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر سے جالوت کے شر کو دور نہ کرتا تو لوگوں میں اور ﴿زمین میں فساد پھیل جاتا﴾۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعے مومنوں سے ان کے دشمنوں کے شر کو دور کرتا ہے، اسی طرح مجاہدین کے ذریعے جہاد سے پیچھے بیٹھنے والوں سے دشمنوں کے شر کو دفع کرتا ہے، ورنہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو زمین والے فساد کا شکار ہو جاتے ﴿لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں﴾ چنانچہ اللہ نے ﴿دنیا والوں پر﴾ دفعِ فساد کے ذریعے بڑا احسان کیا ہے''۔

(تنوير المقباس من تفسير ابن عباس؛ سورة البقرة، آية ۲۵۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موجود فساد کو ختم کرنے کے لئے جہاد کی نعمت عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ مجاہدین ہی کے ذریعے لوگوں پر سے فساد کو دفع کرتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمان بن ناصر السعدیؒ (م۱۳۷۶ھ) مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''أي:لو لا أنه يدفع بمن يقاتل في سبيله كيد الفجار وتكالب الكفار لفسدت الأرض بإستيلاء الكفار عليها وإقامتهم شعائر الكفر ومنعهم من عبادة الله وإظهار دينه ﴿ولكن الله ذو فضل على العالمين﴾ حيث شرع لهم الجهاد الذي فيه سعادتهم والمدافعة عنهم ومكنهم من الأرض......''.

''اگر اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں قتال کرنے والے کے ذریعے فاجروں کے مکر اور کافروں کی دشمنی کو دفع نہ کرتے تو زمین فساد سے بھر جاتی کیونکہ (جہاد وقتال نہ ہونے کے سبب) کفار غالب آ جاتے، اپنے شعائر جاری کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دینِ اسلام کے غلبے کی راہ میں حائل ہو جاتے۔ ﴿لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے﴾ کیونکہ اس نے انہیں جہاد کا حکم دیا ہے جس میں ان کے لئے (دنیوی واخروی) سعادت اور فساد سے بچاؤ رکھا ہے،

اور اسی (جہاد) کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں تمکین دی ہے......''

(تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنان؛ سورة البقرة، آية ٢٥١)

پس جہاد فی سبیل اللہ دنیا سے فساد کو ختم کرنے کا سبب ہے۔اسی کے ذریعے دنیا سے کفار کے غلبے کو ختم کر کے خلافتِ اسلامیہ کو قائم کیا جاتا ہے اور جب خلافتِ اسلامیہ قائم ہو جائے تو فساد باقی نہیں رہتا۔ اب بتائیے کہ جو شخص آج کفار کے غلبے کے خلاف جہاد کرے اور ان کے نظامِ باطل کو پوری دنیا سے اور بالخصوص مسلم خطوں سے اکھاڑ پھینکنے کی خاطر برسرِ پیکار ہو تو کیا شریعت کی رو سے وہ فساد پھیلا رہا ہے؟ ہرگز نہیں! اور بلاشبہ ایسا کہنے والے شریعت کی اتباع قطعاً نہیں کر رہے، ہاں مغرب اور اپنی خواہشات کی اتباع ضرور کر رہے ہیں۔

پس جان رکھئے کہ جہاد و قتال اللہ تعالیٰ کا مشروع کردہ فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی دنیا سے فساد اور کفر کو ختم کرنے ،اور نظامِ خلافت کو قائم کرنے کا سبب و وسیلہ ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور نفاذِ شریعت کی برکات

ہم نے سابقہ سطور میں پڑھ لیا ہے کہ معاشرتی سطح پر امن کا حصول اور دنیا سے فساد کا خاتمہ خلافت کے قیام ہی سے ممکن ہوگا۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جو مالکِ دو جہاں کے فرامین اور نبی آخرالزماں ؐ کے فرمودات سے مترشح ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے۔ نیز یہ تو خلافت کی برکات میں سے فقط دو برکات ہیں وگرنہ جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے اور توحید عام ہو جائے تو ہر شے میں برکات کا ظہور ہوتا ہے۔

حضرت عدیؓ بن حاتم بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپؐ سے فاقہ کشی اور محتاجی کی شکایت کی۔ پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے راہزنی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے عدی! کیا تم نے مقامِ حیرہ دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے نہیں دیکھا مگر لوگوں سے اس کے متعلق سن رکھا ہے (اور جانتا ہوں کہ حیرہ کہاں واقع ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر تم زندہ رہے تو ایک دن دیکھ لو گے کہ جب ایک عورت (تنہا) حیرہ سے چل کر (مکہ میں آ کر) کعبہ کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا (راستے میں) وہ کسی

سے نہ ڈرے گی''۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت قبیلہ طے کے رہزن جنھوں نے (اپنے ظلم وفساد کی) آگ شہروں میں لگا رکھی ہے، کہاں ہوں گے؟ (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: ''اے عدی! اگر تم زندہ رہے تو تم لوگ ضرور کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے''۔ میں نے عرض کیا کہ کیا کسریٰ بن ہرمز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(ہاں!) کسریٰ بن ہرمز''۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم زندہ رہے تو ایک دن دیکھ لوگے کہ انسان سونے یا چاندی سے ہتھیلی بھر کر (صدقہ دینے کے لئے) باہر نکلے گا اور خواہش کرے گا کہ کوئی اسے قبول کرے مگر کسی کو (ایسا محتاج) نہ پائے گا جو اس سے (سونے چاندی) لے...... حضرت عدیؓ کہتے ہیں: ''پھر میں نے (وہ زمانہ) پایا اور بچشمِ خود دیکھ لیا کہ ایک عورت (تنہا) حیرہ سے چلتی ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اپنے گھر واپس آجاتی ہے، اور اس سفر میں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی۔ اور میں (بھی) ان لوگوں میں تھا جنھوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے۔ اگر تم لوگ کچھ دن مزید زندہ رہے تو جو (ہمارے) نبی ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان ہاتھ بھر کر سونا چاندی لئے لئے پھرے گا (اور کسی قبول کرنے والے کو نہ پائے گا)، تو تم یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوتی دیکھ لوگے''۔

اور پھر واقعی مسلمانوں نے وہ زمانہ بھی پایا کہ جب کوئی صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے والا نہ ہوتا تھا۔ ایسا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں ہوا۔ (بحوالہ بیہقیؒ)

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں نفاذِ شریعت کی برکات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت ابو عالیہؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نافرمان زمین کے بگاڑنے والے ہیں اور آسمان وزمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت سے ہے۔ حدیث میں مروی ہے:

''حد يقام في الأرض خير للناس من أن يمطروا ثلاثين أو أربعين صباحا''۔

''زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے حق میں تیس دن یا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے''۔

(مسند أحمد)

یہ اس لئے کہ حد کے قائم ہونے سے مجرم گناہوں سے باز رہیں گے اور جب گناہ نہ ہوں گے تو لوگوں کو آسمانی وزمینی برکات حاصل ہوں گی۔ چنانچہ آخری زمانے میں جب حضرت عیسی بن مریم علیہما

السلام اتریں گے اور اس پاک شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے، مثلاً خنزیر کو قتل کیا جائے گا، صلیب کو توڑ ڈالا جائے گا، جزیہ ترک کر دیا جائے گا یعنی اسلام یا جنگ کے سوا کوئی رستہ باقی نہیں چھوڑا جائے گا؛ پھر آپؑ کے زمانے میں دجال اور اس کے مرید ہلاک ہو جائیں گے، یاجوج وماجوج تباہ ہو جائیں گے ......تو زمین سے کہا جائے گا کہ اپنی برکتیں ظاہر کر دے۔ چنانچہ اس دن ایک انار لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے یہ سب لوگ سایہ حاصل کریں گے۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے کو کفایت کرے گا۔ یہ ساری برکتیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو (دنیا میں) نافذ کرنے کی وجہ سے ہوں گی۔ جوں جوں شریعت کے مطابق عدل وانصاف بڑھے گا، توں توں خیر وبرکت بڑھتی چلی جائے گی۔

(تفسیر ابن کثیر؛ سورۃ الروم، آیۃ ۴۱)

یہاں فقط نظامِ خلافت اور نفاذِ شریعت کی برکات کی جانب اشارہ کرنا مقصود تھا اور اسی لئے چند روایات ہی کے تذکرے پر اکتفاء کیا گیا۔

حاصلِ کلام

جو کچھ ہم نے سابقہ صفحات میں تحریر کیا، اس کا حاصل یہ ہے کہ:

☆ ہمیشہ کی طرح عصرِ حاضر میں بھی ہمیں حق وباطل کا ایک عظیم معرکہ درپیش ہے۔ امریکہ، مغرب اور ان کا پورا نظام دینِ اسلام کو دنیا سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ ان کی طرف سے امت پر مسلط کردہ جنگ کا ایک اہم حصہ 'اصطلاحات کی جنگ' ہے۔ اس جنگ کے ذریعے وہ مسلمانوں کو غیر محسوس انداز میں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے دور کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کر رہے ہیں۔ یہ کفار مسلمانوں کو اپنی خود ساختہ تعبیرات دے کر اپنے نظام میں مدغم کر رہے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان کی اس فکری جنگ سے ہوشیار رہیں، ایسی تمام اصطلاحات (جن کا ہم اوپر تذکرہ کر چکے ہیں) کا مفہوم شریعت کی روشنی میں سمجھیں، ان کے استعمال سے اور ان کے پیچھے مستور کفریہ نظریات سے خود کو محفوظ رکھیں، اور شرعی اصطلاحات اور شریعت کے عطا کردہ عقائد وتصورات سے چمٹے رہیں۔

☆ آج ہمارے سروں پر مسلط جمہوری اور سرمایہ دارانہ نظام ایک کفریہ شرکیہ نظام ہونے کے سبب منبعِ شر وفساد ہے۔ یہ امر تو محال ہے کہ سروں پر یہ شرکیہ نظام مسلط ہو، عقائد وتصورات بھی جدید وقدیم

شرکیات وخرافات سے آلودہ ہوں اور اس کے باوجود مسلمانوں کو امن میسر آجائے۔اسی فساد اور شرک کو دنیا سے ختم کرنے کے لئے شریعت نے ہم پر جہاد وقتال کو فرض کیا ہے۔پس ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جہاد وقتال گو طبعی طور پر ہمیں ناگوار ہی کیوں نہ ہو مگر یہ ایک شرعی فریضہ ہے، اور اس فریضے کی ادائیگی کے بغیر اس فساد کا خاتمہ، خلافت کا قیام اور امن کا حصول ہرگز ممکن نہیں۔لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ مجاہدینِ صادقین کے ساتھ بھرپور تعاون کریں تاکہ فتنۂ نظامِ کفر کی بیخ کنی اور نظامِ خلافت کی بنا استوار ہو سکے۔

امام عزؒ بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) اس مدد و تعاون کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”والجهاد من أبر البر، والمعونة عليه من أفضل المعونة“.

”جہاد کا شمار سب سے بڑی نیکیوں میں ہوتا ہے اور اس میں مدد کرنا (خیر کے کاموں میں) معاونت کی سب سے افضل صورت ہے“۔

(أحكام الجهاد وفضائله؛ باب فضل تجهيز الغزاة)

☆ عامۃ المسلمین کے تمام تر دنیوی مسائل کا حل بھی یہی ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں شریعت کی اتباع اختیار کی جائے اور خلافت کا مبارک نظام قائم کیا جائے۔ان مسائل کے حل کے لئے کوئی دوسری راہ اختیار کرنا سرابوں کے پیچھے دوڑنے کے مترادف ہے۔نیز جب ہماری دنیوی واخروی فلاح اتباعِ شریعت اور نظامِ خلافت ہی سے وابستہ ہے تو پھر کسی دوسرے نظام کا حصہ بن جانا، کسی دوسرے فکر و فلسفے کو اختیار کر لینا شرعاً وعقلاً...... ہر دو لحاظ سے غلط ہے۔ساتھ ہی ساتھ عامۃ المسلمین کو یہ بات بھی اچھی طرح خاطر نشیں کر لینی چاہئے کہ چونکہ نظامِ خلافت جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ہرگز قائم نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا کچھ عرصہ ضرور مشکلات وآزمائشوں سے بھرپور گزرے گا اور پھر کہیں جا کر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے ہمیں منزل حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جلد ہمیں نظامِ خلافت کی بہاریں دکھائیں اور نفاذِ شریعت کی برکات عطا فرمائیں، آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

فقہ الجہاد

''اشتہاری مجرموں'' کی فہرستیں مرتب کیجئے!

شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ

ترجمہ وترتیب: قاری عبدالہادی

چند سال قبل تک ''اشتہاری مجرم'' کی اصطلاح سن کر ذہن میں کسی چور، ڈاکو یا بدمعاش کا نقشہ ابھرتا تھا۔ گیارہ ستمبر کے بعد جہاں دنیا میں دیگر بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں، وہیں ''اصطلاحات'' کی دنیا میں بھی ایک انقلاب برپا ہوا ہے...... بہت سی جدید اصطلاحات میدان میں اتاری گئی ہیں اور بہت سی قدیم اصطلاحات کے معنی یکسر تبدیل ہوگئے ہیں۔''اشتہاری مجرم'' کی اصطلاح بھی گیارہ ستمبر کے بعد اپنا پرانا معنی کھو بیٹھی ہے۔آج اگر کسی اشتہاری مجرم کی گرفتاری کا ذکر آئے، کسی اشتہاری مجرم کے مارے جانے کی سرخی چھپے تو دل کے اندر سے ایک ٹیس سی اٹھتی ہے۔آج بالعموم وہی شخص اشتہاری مجرم کہلاتا ہے جو'' رَبُّنَا اللّٰہ'' کہے اوراس پر جم جائے، جو ''اَحَد اَحَد'' پکارے اوراس پر ڈٹ جائے، جو ہر غیر اللہ کی حاکمیت ماننے سے انکاری ہو۔آج اگر سر کی قیمت لگتی ہے تو انہی کی،عقوبت خانے آباد ہیں تو انہی سے!حق گو علماء ہوں یا غیرت مند داعیانِ دین، مجاہدین فی سبیل اللہ ہوں یا پابندِ شرع عامۃ المسلمین......سب ہی آج ''اشتہاری مجرم'' ہیں!

زیرِ نظر تحریر امتِ مسلمہ کے خلاف منصوبہ بندی میں مصروف اور امت سے خیانت کے مرتکب اصل ''اشتہاری مجرموں'' کی سمت ہماری توجہ مبذول کراتی ہے اوران کی فہرستیں مرتب کرنے اورانہیں چن چن کر نشانہ بنانے پر ابھارتی ہے۔کفر کا نظام،خواہ وہ عالمی ہو یا مقامی،منصوبہ سازی اور قیادت کے لئے کچھ''افراد'' ہی کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ افراد ہی وہ آئمہء کفر ہیں جو کفر کے نظام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔کفر کے ان اماموں میں کفریہ ممالک کے سربراہ، نظامِ کفر کے اساسی بین الاقوامی اداروں مثلاً اقوامِ متحدہ، ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے قائدین، یورپی ممالک کے سفراء، یہود و نصاریٰ کی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اہم عہدیدار، کفار و مرتدین کی اعلیٰ فوجی قیادت، خفیہ اداروں کے سربراہ اور کلیدی افسران، اعلیٰ سطحی حکومتی عہدیداران،سیکولر سیاسی جماعتوں کے نمایاں قائدین، بیوروکریسی کے اہم مناصب پر فائز ذمہ داران، پولیس و دیگر سیکیورٹی اداروں کے اہم افراد، ذرائع ابلاغ کے ذریعے کفر والحاد اور بے حیائی وفحاشی کوفروغ دینے اور جہاد و اہلِ جہاد کو نقصان پہنچانے کی منظّم مہم کے سرغنہ صحافی،جیل خانوں میں مجاہدین کو اذیت دینے والے تفتیش کار اور ایسے ہی دیگر موذی طبقات سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات شامل ہیں۔ان تمام شخصیات کا احاطہ کرنا شاید کسی ایک مجموعے یا جہادی جماعت کی استطاعت سے باہر ہو،لہٰذا زیادہ مؤثر صورت یہی ہے کہ امرائے جہاد سے رہنمائی اور علمائے کرام سے فتاویٰ لینے کے بعد ایسے افراد کی فہرست مرتب کر لی جائے اوراسے تمام ممکنہ ذرائع

سے نشر کیا جائے تا کہ امت نہ صرف اپنے اکابر مجرمین کو پہچان لے بلکہ مجاہدین کے مختلف مجموعات کے لئے بھی اپنی کارروائیوں کی ترجیحات متعین کرنا آسان ہو جائے۔

اس تحریر کے مصنف کا نام کسی تفصیلی تعارف کا محتاج نہیں۔ شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ فلسطین سے تعلق رکھنے والے وہ مجاہد عالمِ دین تھے جن سے اللہ رب العزت نے عصرِ حاضر میں فریضہء جہاد کی تجدید کی خدمت لی۔ آپ کی تحریرات اور خطبات نے لاکھوں نوجوانانِ امت کے سینوں میں حبِ جہاد کا شعلہ بھڑکایا اور ان کے ذہنوں میں فرضیتِ جہاد کا شرعی حکم راسخ کیا۔ زیرِ نظر تحریر میں آپؒ نے امتِ مسلمہ کو صحابئ رسول حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ایک گمشدہ سنت یاد دلائی ہے۔ ''**قوائم محمد بن مسلمةؓ**'' کے عنوان سے لکھی گئی یہ تحریر ہمیں آئمہء کفر وفساد کو نشانہ بنانے کا وہ قیمتی درس یاد دلاتی ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اللہ رب العزت ہمیں اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین! (مدیر)

الحمد للّٰہ وحدہ، والصلٰوۃ والسلام علٰی من لا نبي بعدہ، وبعد:

یہودی سردار ابو رافع کا قتل

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ یہ حدیث منقول ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند انصاری صحابہؓ کو ابو رافع کے طرف بھیجا تا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ایک انصاریؓ اس کے قلعے میں داخل ہو گئے اور آپؓ بیان کرتے ہیں کہ میں گھوڑوں کے اصطبل میں چھپ گیا اور قلعے کا دروازہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد ایک چوکیدار اپنا گدھا تلاش کرنے باہر نکلا، میں بھی ان لوگوں کے ساتھ باہر نکل آیا اور میں یہ دِکھلا رہا تھا کہ میں بھی ان کے ساتھ گدھا تلاش کرر ہا ہوں۔ جب ان کو گدھا مل گیا تو میں ان کے ساتھ قلعے میں چلا آیا اور انھوں نے قلعے کا دروازہ بند کر کے اس کی کنجیاں سوراخ میں رکھ دیں جسے میں دیکھ رہا تھا۔ اور جب وہ سب سو گئے تو میں نے کنجیاں لے کر قلعے کا دروازہ کھولا، ابو رافع کی طرف گیا اور اسے آواز دی: اے ابو رافع! اس نے مجھے جواب دیا تو میں آواز کی طرف لپکا اور اس پر وار کیا۔ وہ چیخنے لگا تو میں باہر نکل آیا۔ اس کے بعد میں پھر اسی طرف گیا گویا میں فریادرس ہوں اور میں نے آواز بدل کر کہا: اے ابو رافع! اس نے کہا: تو کون ہے؟ تیری ماں کی خرابی ہو۔ میں نے کہا: کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا: مجھے اور کچھ معلوم نہیں، بس اس آدمی نے مجھ پر تلوار کا

وار کیا ہے۔ (اتنا سن کر) میں نے اپنی تلوار اس کے پیٹ پر رکھ دی اور اس پر اتنا زور دیا کہ وہ اس کی ہڈیوں میں اتر گئی اور اس کے بعد میں باہر نکل آیا۔ میں خوفزدہ تھا، جوں توں کر کے اترنے کے لئے سیڑھیوں کے پاس پہنچا مگر گر پڑا اور میرا پیر ٹوٹ گیا، اور پھر میں نے اس حالت میں اپنے دوستوں کے پاس پہنچ کر کہا: میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک (ابو رافع کے مرنے پر) رونے والوں کی آواز نہ سن لوں۔ چنانچہ میں اس وقت تک باہر نہیں گیا جب تک میں نے اہلِ حجاز کے تاجر ابورافع پر رونے والیوں کی آواز نہ سن لی۔ یہ آواز سننے کے بعد میں کھڑا ہو گیا مگر مجھ میں چلنے کی قوت باقی نہ رہی تھی۔ (بہر حال میں نے کسی نہ کسی طرح ہمت جمع کی اور) آخر کار ہم سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچ کر پورا واقعہ بیان کیا''۔

(فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب قتل المشرك النائم)

ایک دوسری روایت کے مطابق ابورافع کو قتل کرنے والے صحابیؓ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ تھے۔ یاد رہے کہ ابورافع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا اور لوگوں کو آپؐ کے خلاف ابھارا کرتا تھا۔

''طاغوتِ یہود'' کعب بن اشرف کا قتل

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے گا؟...... کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! انھوں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں (آپ کے متعلق) جو (چاہوں) کہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہہ لو۔ چنانچہ وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اپنے اور حضورؐ کے درمیان ایک فرضی معاملہ بیان کرتے ہوئے کہا: یہ آدمی ہم سے صدقہ وصول کرتا ہے اور ہمیں مشقت میں ڈال رکھا ہے۔ کعب نے یہ سنا تو کہنے لگا: اللہ کی قسم! ابھی اور لوگ بھی اس سے تنگ ہوں گے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا: اب تو ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں اور ہم

اسے اس کے معاملے کا انجام دیکھے بغیر چھوڑ نا پسند نہیں کرتے۔ مزید کہا: مہربانی کر کے مجھے کچھ قرض دے دو۔ کعب نے کہا: تم میرے پاس کیا چیز گروی رکھواؤ گے؟ ابن مسلمہؓ نے کہا: جو تم چاہو! کعب نے کہا: تم اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھوا دو۔ ابن مسلمہؓ نے کہا: تم تو عرب کے خوبصورت ترین آدمی ہو، کیا ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں گروی رکھیں؟ کعب نے کہا: اچھا پھر اپنی اولاد گروی رکھوا دو۔ ابن مسلمہؓ نے کہا: (یہ بھی نہیں قبول کیونکہ کل) ہمارے بیٹوں کو طعنہ دیا جائے گا کہ وہ دو وسق کھجور کے بدلے گروی رکھے گئے تھے، البتہ ہم اپنا اسلحہ تیرے پاس گروی رکھ سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ابن مسلمہؓ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے پاس حارثؓ، ابی عبسؓ بن جبر اور عبادؓ بن بشر کو لے کر دوبارہ آئیں گے۔ پس یہ لوگ اس کے پاس گئے اور رات کے وقت اسے (گھر سے) باہر بلایا۔ وہ باہر نکلنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا: مجھے تو یہ آواز خون کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ کعب نے کہا: (فکر نہ کرو) یہ محمد بن مسلمہ، اس کا رضاعی بھائی اور ابو نائلہ ہیں۔ معزز آدمی کو اگر رات کے وقت بھی نیزہ بازی کی طرف بلایا جائے تو وہ یہ دعوت قبول کر لیتا ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آئے گا تو میں (کسی بہانے سے) اس کے سر کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا۔ پس جب میں اسے اچھی طرح اپنے قبضے میں لے لوں تو تم حملہ کر دینا۔ کعب جب ان کے پاس پہنچا تو اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ان حضرات نے کہا: ہم تجھ سے خوشبو کی مہک محسوس کر رہے ہیں۔ اس نے کہا: ہاں! میری بیوی فلاں ہے جو کہ عرب کی عورتوں میں سب سے زیادہ معطر عورت ہے۔ ابن مسلمہؓ نے کہا: تم مجھے یہ خوشبو سونگھنے کی اجازت دو گے؟ اس نے کہا: سونگھو! پھر دوبارہ کہا کہ کیا تم مجھے دوبارہ سونگھنے کی اجازت دو گے؟ اس مرتبہ انھوں نے (خوشبو سونگھنے کے بہانے) اس کے سر کو قابو میں لے لیا اور (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ حملہ کر دو۔ چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر ڈالا''۔

(صحيح المسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قتل كعب بن أشرف طاغوت اليهود)

آئمہء کفر کا قتل تعلیمِ نبویؐ ہے

صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی یہ دونوں روایات اس بات کی واضح اور قطعی دلیل ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے دعوتِ دین کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو ہٹانے کے لئے قوت استعمال کی اور کفر کی نمائندہ دو چوٹی کی شخصیات کو'' اِغتِیَــــال'' (یعنی ''ٹارگٹ کلنگ'') کے ذریعے مروایا۔ اہلِ دین کی پیش قدمی روکنے اور دینِ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لئے کفر مستقل منصوبہ بندی میں مصروف رہتا ہے۔ اس منصوبہ سازی کے پیچھے لامحالہ کچھ موذی ذہن کارفرما ہوتے ہیں، پھر انہی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی کچھ شریر ہاتھ میسر وسائل کو حرکت میں لاتے ہیں۔ یہی وہ قائدینِ کفر ہیں جن کا علاج تلوار کے بغیر ممکن نہیں۔ کعب بن اشرف اور ابورافع یہود کے دو نمایاں سردار تھے اور ان کا شمار بھی ان آئمہء کفر میں ہوتا تھا جو اسلام و مسلمانوں کے خلاف منصوبہ سازی میں پیش پیش تھے۔

امام ابنِ حجر رحمہ اللہ ''فتح الباري''میں ابورافع کے قتل کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''وفيه جواز التجسس على المشركين وطلب غرتهم وجواز إغتيال ذوي الأذية البالغة منهم''.

''یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین کی جاسوسی کرنا اور اس بات کی ٹوہ لگانا کہ وہ کب غافل ہوتے ہیں، جائز ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ ان کے زیادہ موذی افراد کو 'اِغتِیَــال' کے ذریعے قتل کیا جائے''۔

(فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب قتل المشرك النائم)

ان کی تاک میں بیٹھو!

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک بھی نگاہوں میں رہے کہ:

﴿وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾ (التوبة:۵)

''اور ان (مشرکین کو مارنے) کے لئے ہر گھات میں بیٹھو''۔

امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ:

''قال علماؤنا: هذا دليل على جواز إغتيالهم قبل الدعوة......''

''ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین کو دعوت پہنچائے بغیر بھی 'اِغتِیَال' کے ذریعے قتل کر ڈالنا جائز ہے''۔

یہاں دعوت پہنچانے سے مراد ہے ''خبردار کرنا''۔ گویا یہ بات بالکل جائز ہے کہ ایک کافر کو پہلے سے

خبردار کئے بغیر اچانک حملہ کر کے قتل کر دیا جائے (اور اسی کو عربی میں ''اِغتِیَال'' کہتے ہیں)۔

جان، مال اور عزت کا دفاع......ایک شرعی فریضہ

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرة:۱۹۴)

''پس جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر کی''۔

امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

''قال علماؤنا: هذا دليل على أن لك أن تبيح دم من أباح دمك، وتحل مال من استحل مالك''.

''ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص تمہارے خون کو مباح جانے تم بھی اس کے خون کو مباح جانو اور جو کوئی تمہارے مال کو حلال سمجھے تم بھی اس کے مال کو حلال سمجھو''۔

اس بات پر تو علمائے امت کا اجماع ہے کہ جان، مال یا عزت پر حملہ آور دشمن کے خلاف اپنا دفاع کرنا جائز ہے۔ جہاں تک اپنی عزت کے دفاع کا معاملہ ہے، تو اس کے نہ صرف ''جواز'' بلکہ ''وجوب'' پر بھی علماء کا اجماع ہے۔ یعنی اگر کسی مسلمان کی عفت پامال کرنے کی کوشش کی جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ یہ جسارت کرنے والے کو پہلے زبان سے، پھر ہاتھ سے پھر لاٹھی وغیرہ سے روکنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ اس کے بعد بھی نہ رکے اور اسلحہ استعمال کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے تو اسے اسلحے سے روکنا، حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر قتل تک کر دینا لازم ہے، خواہ وہ حملہ آور شخص کتنا ہی پابندِ صوم وصلوٰۃ کیوں نہ ہو!

رہا جان اور مال کے دفاع کا شرعی حکم، تو جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی واجب ہے، جبکہ اس کے جواز پر تو سبھی علماء کا اجماع ہے۔ یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جان و مال پر حملہ آور ہونے والے لوگ اگر امت کے بہترین، صالح، خدا ترس اور عبادت گزار افراد ہوں، تب بھی اپنا دفاع کرنے کا یہ حکم تبدیل نہیں ہوتا۔ (اگر صالحین کے معاملے میں بھی شریعت یہ تعلیم دیتی ہے تو پھر آئمۂ کفر وضلالت اور پیشوایانِ فسق وفجور کے خلاف یہ شرعی حق استعمال کرنے میں کیا شے مانع ہے جبکہ نہ صرف یہ مسلمانوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں کے درپے ہیں، بلکہ ان کی قیمتی ترین متاع، متاعِ ایمان بھی ان سے چھیننے اور انہیں دین

پر عمل سے روکنے کے لئے مستقل کوشاں ہیں۔)

کیا دعوت کی راہ میں حائل رکاوٹیں قوت استعمال کیئے بغیر بھی ہٹ سکتی ہیں؟

اللہ کا دین انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر تنہا اللہ رب العالمین کی غلامی میں دینے آیا ہے، لیکن بنی نوع انسان پر اپنی حاکمیت مسلط کرنے والا کوئی طاغوت بھی اس آسمانی دعوت کو ٹھنڈے پیٹوں قبول نہیں کرتا، نہ ہی اپنی حاکمیت سے دستبردار ہونے پر بہ آسانی تیار ہوتا ہے۔ ہر ایسا طاغوت، کفر کا ہر ہر امام اپنے تمام تر وسائل جھونک کر یہ کوشش کرتا ہے کہ انسانیت ظلماتِ کفر وشرک میں بھٹکتی رہے اور دعوتِ دین کی نورانی کرنیں اس تک کسی طور پہنچنے نہ پائیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ انسانوں کی ایک ایسی نسل وجود میں آئے جسے اپنی خواہشات کی تکمیل اور شہوات کی تسکین کے سوا کوئی غم نہ ہو اور وہ اسی سب میں غرق رہے تاکہ اسے غیر اللہ کی غلامی میں جکڑے رکھنا آسان ہو جائے۔ عیسائی مبلغین کے مشہور رہنما ''زویمر'' کے الفاظ میں:

''ہم نے انسانوں کی ایک ایسی نسل تیار کی ہے جنہیں اپنی خواہشات کی تسکین کے سوا کسی شے کا غم نہیں۔ ان کا جینا مرنا، سب اپنی خواہشات ہی کی خاطر ہے اور ان خواہشات کی تکمیل کے لئے یہ اپنی قیمتی ترین متاع بھی لٹانے کو تیار رہتے ہیں''۔

پس انسانیت کو اس دینِ قویم کی روشن تعلیمات سے دور رکھنے والے ہر طاغوت کو راہ سے ہٹانا اور دعوتِ دین کے پھیلاؤ میں حائل ہر بڑی رکاوٹ کو بزور دفع کرنا عین تقاضائے شریعت ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک سے آخر اور کیا مقصود ہے کہ:

''**بُعثت بين يدي الساعة بالسيف حتٰى يُعبد اللّٰه وحده لا شريك له**''.

''مجھے قیامت سے قبل تلوار دے کر مبعوث کیا گیا ہے تاکہ تنہا اس اللہ کی عبادت بجا لائی جائے جس کا کوئی شریک نہیں''۔

(مسند أحمد، والحديث في صحيح الجامع، برقم ٢٨٣١)

سنتِ ''اِغتِیَال''، پر اعتراض کرنے والوں سے صحابہؓ کا تعامل

قائدینِ کفر اور آئمہءِ فتن کو رستے سے ہٹانا ایک شرعی حکم، ایک منطقی ضرورت اور ایک فطری حق ہے۔ اسی لئے جب ابن یامین نامی ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں یہ الفاظ کہے کہ:

''اللہ کی قسم! کعب بن اشرف کو تو دھوکے اور خیانت سے قتل کیا گیا تھا''۔

تو کعب بن اشرف کے قاتل محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا:

''اے معاویہؓ! آپ کی مجلس میں ایسی گستاخانہ بات کی جائے اور آپ خاموش رہیں؟ اللہ کی قسم میں تو اس مجلس میں مزید نہیں بیٹھ سکتا...... اگر مجھے یہ شخص کہیں تنہائی میں مل گیا تو میں تو اسے ضرور قتل کروں گا''۔

(الصارم المسلول علی شاتم الرسولؐ، للإمام ابن تیمیةؒ، ص۹۰)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ایک جملہ کہنے کی پاداش میں ابن یامین کا خون بہانا جائز ہو گیا، حالانکہ وہ اصلاً ایک مسلمان تھا۔ اسی سے اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ابن یامین نے کعب بن اشرف کے قتل کو خیانت اور اس دین کی فطرت سے متصادم قرار دیا، جبکہ اس قتل کا حکم اور اس سنت کا اجراء تو خود رسولِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ گویا اس شخص نے ایک حکمِ شرعی اور اس سے بھی بڑھ کر، براہِ راست ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے کی جسارت کی۔ اور بلاشبہ ''خیانت'' جیسے گھناؤنے فعل کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے سے انسان دین سے خارج اور قتل کا مستحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سنتِ نبویؐ کے بارے میں بہت سنبھل کر بات کرنی چاہیے...... کہیں اپنا ایمان ہی نہ جاتا رہے!

علمائے حق سے فتویٰ اور امرائے جہاد سے اجازت لینا لازم ہے!

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنا بھی نہایت اہم ہے کہ آئمہ ءِ کفر کا قتل و ''اِغتِیَــــال'' (ٹارگٹ کلنگ) علمائے حق کی رہنمائی لئے بغیر کرنا کسی طور درست نہیں۔ بلاشبہ اس سنت کا احیاء نہایت اہم ہے، لیکن چونکہ یہ معاملہ خون بہانے جیسے بھاری امر سے متعلق ہے اور اس کے نتائج بھی جہاد کے مستقبل پر گہرے اثرات ڈال سکتے ہیں، لہٰذا اس حوالے سے کوئی اہم فیصلہ بھی کسی عام فرد پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اس کے لئے تو ان علماء کی طرف رجوع لازم ہے جو مجاہدین کی شرعی رہنمائی کے ذمہ دار ہیں اور ان امرائے جہاد سے اجازت لینا بھی ضروری ہے جو جہاد کی مصلحت پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔

محمد بن مسلمہؓ کی سنت ترک کرنے کا انجام

آئمہ ءِ کفر کا قتل ایک مبارک سنت ہے، جسے ترک کرنے کی بھاری قیمت آج اس امت کو چکانی پڑ

رہی ہے۔ آج اگر امت پر ہر قسم کے (خارجی و داخلی) دشمن ہر سمت سے مسلط ہیں اور پوری دلیری سے مسلمانوں کا خون بہانے، عصمتیں پامال کرنے اور وسائل لوٹنے میں مصروف ہیں تو اس کا بہت بڑا سبب اس سنت کا مفقود ہونا ہے۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوان بندگانِ خدا مست پر جو پستی و ذلت کے ان ادوار میں بھی اپنی جانیں ہتھیلی پر لئے میدانِ عمل میں نکلتے رہے اور امت کو کفر کی غلامی سے آزاد کرانے اور اگلی نسلوں کو نئے حوصلے بخشنے کے لئے وقتاً فوقتاً اس سنت کو زندہ کرتے رہے، وگرنہ مسلمان بحیثیت مجموعی یہ سنت آج چھوڑ بیٹھے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

ا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ عقیدۂ ولاء و براء (یعنی اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی) کے تقاضے پورے کریں اور پوری استقامت کے ساتھ دشمنانِ دین کے مقابل ڈٹ جائیں۔ اس عقیدے کا کم سے کم تقاضہ بھی یہ ہے کہ ہم روسی، یہودی اور امریکی مصنوعات کا استعمال ترک کر دیں۔ امریکی مصنوعات کے ترک پر میں اس لئے بھی خصوصی زور دوں گا کہ امریکہ ہی یہود کا اصل پشت پناہ اور حامی و ناصر ہے۔

(زیرِ نظر تحریر اس دور میں لکھی گئی جب مجاہدین روس کے خلاف جہاد میں مصروف تھے۔ نیز یہ تحریر کسی عام فرد نہیں، بلکہ شیخ عبداللہ عزامؒ کے قلم سے نکلی جو اس دور میں عرب مجاہدین کی نمایاں ترین شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ درج بالا جملوں سے یہ بات واضح ہے کہ آپؒ اس دور میں بھی امریکہ کو امت کے اساسی دشمنوں میں شامل سمجھتے تھے، جس سے ان کور چشم مبصرین کے تجزیوں کا رد ہوتا ہے جو تاریخی حقائق کو مسخ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مجاہدین نے روس کے خلاف جنگ امریکی مفادات کی خاطر لڑی، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ! مترجم)

۲۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سنت زندہ کرنے کے لئے آئمہ ءشرک، قائدینِ کفر والحاد اور ان نمایاں طواغیت کی فہرستیں ترتیب دی جائیں جو زمین میں اللہ کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں اور انسانیت کو کفریہ نظاموں میں جکڑا رکھنا چاہتے ہیں۔ ''اشتہاری مجرموں'' کی اس فہرست میں جن لوگوں کے نام ہونا لازم ہیں ان کی طرف مختصراً اشارہ یہاں کیا جارہا ہے:

ا۔ دنیا بھر میں پائی جانے والی ہر وہ نمایاں یہودی شخصیت جو کسی طور بھی اسرائیل کی معاونت میں ملوث ہو (خواہ وہ عسکری معاونت ہو یا مالی معاونت یا زبان وقلم اور جدید ذرائع ابلاغ کے

ذریعے معاونت)۔

۲۔ روسی اور غیر روسی کمیونسٹوں کے اہم قائدین۔ (اسی پر قیاس کرتے ہوئے آج امریکہ، یورپ اور نام نہاد ''دہشت گردی کے خلاف اتحاد' میں شامل 'مسلم' حکومتوں اور افواج کے اہم قائدین کے نام بھی شامل کئے جائیں۔)

۳۔ (طاغوت کے خفیہ وعلانیہ) قیدخانوں میں انسانیت کی تذلیل اور مسلمانوں کی تعذیب پر مامور تفتیشی افسران۔

۴۔ سیکولر اور ملحدانہ نظریات کی حامل ان سیاسی جماعتوں کے قائدین جو نہ تو اپنی اسلام دشمنی پر پردہ ڈالتی ہیں، نہ ہی اپنے ملحدانہ عقائد کسی سے چھپاتی ہیں۔

۵۔ یہود (ونصاریٰ) کا اعلانیہ ساتھ دینے والے اکابر مجرمین، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں پائے جائیں۔

پس اے شہسوارانِ اسلام......اٹھو! اے اللہ کے لشکرو......آگے بڑھو! اے دین کی تلوارو...... چمکو! اور بجلی کی کڑک بن کر دشمنانِ دین پر ٹوٹ پڑو!

وسبحانك اللّٰهم وبحمدك وأشهد أن لا إله إلا أنت، أستغفرك وأتوب إليك.

إنما يخشى الله من عباده العلماء

حکمرانوں کی قربت سے بچو!

امام حافظ جلال الدین سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ)

مترجم: مولانا عبید الرحمن

(آخری قسط)

باب سوم

[اس باب میں سلفِ صالحین اور متاخرین علمائے امت کی تحریرات، فرمودات اور واقعات پیشِ خدمت ہیں۔ تسہیل کی غرض سے یہاں بھی عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مترجم]

امام ابوحامد غزالیؒ (م ۵۰۵ھ)

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب إحياء علوم الدين میں حکمرانوں سے قربت رکھنے اور ان کی مجالس میں شرکت کرنے کے بارے میں ایک باب باندھا ہے جس میں آپؒ لکھتے ہیں:

''حکمران اور اس کے کارندوں کے ساتھ تمہارا تین قسم کا معاملہ ہو سکتا ہے:

...... پہلا، اور سب سے برا یہ کہ تم ان کے یہاں جایا کرو،

...... دوسرا، جس کی برائی پہلے سے کم ہے کہ وہ تمہارے یہاں آیا کریں، اور

...... تیسرا، جو کہ سب سے محفوظ ہے کہ تم ان سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ نہ تم انہیں دیکھو نہ وہ تمہیں دیکھیں۔

پہلا معاملہ، یعنی خود ان کے یہاں جانا، شریعت میں نہایت قابلِ مذمت ہے۔ اس بابت احادیث و روایات میں بہت سختی اور شدت برتی گئی ہے۔ یہاں ہم ان میں سے بعض روایات نقل کر رہے ہیں تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ شریعت میں اس فعل کی کس قدر مذمت کی گئی ہے۔ اس کے بعد ہم فقہی پہلو سے جائزہ لیں گے کہ حکمرانوں کے یہاں جانے میں کون سے امور حرام ہیں، کون سے مکروہ اور کون سے جائز۔ [اس کے بعد آپؒ نے بہت سی احادیث اور روایات نقل کیں جن کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ

ان میں سے وہ روایات جن کا پہلے ذکر نہیں گزرا وہ حسبِ ذیل ہیں:]

حضرت سفیانؒ نے فرمایا:

"في جهنم واد لا يسكنه إلا القراء الزوارون للملوك".

"جہنم میں ایک وادی ہے جس میں صرف ایسے قاری ہوں گے جو بادشاہوں کے یہاں کثرت سے ملنے جاتے تھے"۔

امام اوزاعیؒ نے فرمایا:

"ما شيء أبغض إلى الله من عالم يزور عاملا".

"اللہ کے یہاں اس عالم سے زیادہ مبغوض کوئی نہیں جو سرکاری کارندوں سے ملنے جاتا ہو"۔

حضرت اسحٰقؒ نے فرمایا:

"وہ عالم کتنا قبیح ہے جس کی مجلس میں جایا جائے تو وہ موجود نہ ہو، اور جب پوچھا جائے تو پتہ چلے کہ وہ حکمران کے پاس گیا ہے۔ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر تم کسی عالم کو حکمران سے ملتا دیکھو تو اس کے دین پر بے دریغ شک کا اظہار کرو"۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں حکمران کے یہاں گیا اور جب نکلنے کے بعد اپنا محاسبہ کیا تو اپنے نفس کو قصوروار نہ پایا، حالانکہ میں حکمرانوں سے نہایت سختی سے پیش آتا ہوں اور ان کی خواہشات کے برخلاف چلتا ہوں"۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ تیل کے تاجر تھے اور کہتے تھے:

"إن في هذا لغنى عن هؤلاء السلاطين".

"اس کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی حکمرانوں سے بے نیاز کرنے کے لئے کافی ہے"۔

حضرت وہبؒ نے فرمایا:

"هؤلاء الذين يدخلون على الملوك هم أضر على الأمة من المقامرين".

"بادشاہوں کے یہاں جانے والے اس امت کے لیے جوابازوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں"۔

حضرت محمد بن سلمہؒ نے فرمایا:

"الذباب على العذرة أحسن من قارئ على باب هؤلاء".

"غلاظت پر بیٹھی مکھی ان حکمرانوں کے در پر بیٹھے قاری (یعنی عالم) سے اچھی ہے"۔

جب امام زہریؒ نے حکمران کے ساتھ میل جول شروع کیا تو ان کے ایک دینی بھائی نے انہیں لکھ بھیجا کہ:

''اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو فتنوں سے بچائے۔ آپ اس حال کو جا پہنچے ہیں کہ آپ کے جاننے والوں کو چاہیے کہ آپ کے لیے دعا کریں اور آپ پر ترس کھائیں۔ آپ بُڑھاپے کو اس حال میں داخل ہو رہے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کا بوجھ آپ پر لدھا ہوا ہے، یعنی اللہ نے آپ کو اپنی کتاب کا فہم عطا کیا ہے اور اپنے نبیؐ کی سنت سکھلائی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد تو نہ لیا تھا (کہ یہ سارا علم لے کر حکمرانوں کے در پہ جا پہنچیں)۔ جان لیجیے کہ کم سے کم گناہ جو آپ سے سرزد ہوا اور ہلکے سے ہلکا بوجھ جو آپ نے اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ظالم کی قربت اختیار کر کے اس کی تنہائی ختم کر دی ہے اور اس کے لیے سرکشی کا راستہ آسان بنا دیا ہے۔ جبکہ اس نے آپ کی صحبت میں رہ کر نہ تو کوئی فرض ادا کیا اور نہ ہی کوئی باطل فعل ترک کیا ہے۔ اس نے آپ کو ایسا محور بنا دیا ہے جس کے گرد اس کے ظلم کی چکی گھومتی ہے، اور ایسا پل بنا دیا ہے جس پر سے گزر کر وہ لوگوں کو اذیت دینے کے قابل ہوتا ہے، اور ایسی سیڑھی بنا دیا ہے جس پر چڑھ کر وہ گمراہیوں تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ آپ کی موجودگی کے سبب وہ علماء کو شک میں مبتلا کرنے اور جاہلوں کو مکر و فریب کے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ جتنا کچھ اس نے آپ کے سبب درست کیا ہے اس سے کہیں زیادہ اس نے آپ کو استعمال کرتے ہوئے بگاڑا ہے۔ اور جتنا فائدہ اس نے آپ سے حاصل کیا ہے اس سے کہیں زیادہ اس نے آپ کے دین کو نقصان پہنچایا ہے۔ پس آپ کو اس ارشادِ باری تعالیٰ کے مصداق بننے سے کیا چیز روک سکتی ہے کہ ''پھر ان کے بعد کچھ ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو (چھوڑ دیا، گویا اسے) کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے'' [مریم ۵۹] آپ کا معاملہ تو ایسی ذات کے ساتھ ہے جو لاعلم نہیں، بلکہ اس نے آپ پر ایسے نگران مقرر کر رکھے ہیں جن پر لمحہ بھر غفلت طاری نہیں ہوتی۔

آپ اپنے دین کی فکر کریں، کیونکہ بیماری اسے چاٹ گئی ہے۔ اور اپنا زادِ راہ تیار کریں کہ لمبا سفر آنے کو ہے۔ اور جان رکھیں کہ اللہ سے کچھ اوجھل نہیں رہتا، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔

والسلام''۔

[ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں:]

''پس یہ روایتیں اور حکایتیں حکمرانوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنے میں پوشیدہ فتنہ وفساد کی مختلف انواع کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ذیل میں ہم فقہی پہلو سے ان روایات کا تفصیلی جائزہ لیں گے تاکہ (سلاطین سے میل ملاپ رکھنے کے حوالے سے) حرام، مکروہ اور جائز امور پوری طرح واضح ہوجائیں۔

ہماری رائے میں حکمرانوں کے یہاں جانے والوں کے بارے میں یہ قوی خدشہ ہے کہ وہ اپنے کسی فعل، قول، سکوت یا قلبی اعتقاد کے سبب معصیتِ الٰہی کے مرتکب ہو بیٹھیں گے......اور ایسا تو ممکن ہی نہیں کہ وہ ان تمام کی تمام صورتوں سے صاف بچ نکلیں۔

فعلی معصیت: بالعموم حکمرانوں سے ملاقات کے لئے ایسی جگہوں پر جانا پڑتا ہے جو غصب شدہ جائیدادیں ہوتی ہیں۔ ایسی جائیدادوں میں قدم رکھنا اور ان میں مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہونا حرام ہے۔ پھر ظالم کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آنا بھی جائز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ سلام کرنے کا جواز مل سکتا ہے، لیکن اس کا ہاتھ چومنا اور اس کی خدمت میں جھکنا تو سراسر گناہ ہے۔ بعض اسلاف نے تو حد درجہ احتیاط برتتے ہوئے ان کے سلام کا جواب دینے سے بھی اجتناب کیا اور ان کو ذلیل جانتے ہوئے ان کی قربتوں سے حاصل ہونے والے فوائد کو ٹھکرا دیا۔ ایسے ہی اگر حکمرانوں کا زیادہ تر مال حرام کا ہو تو ان کے قالینوں پر بیٹھنا بھی ناجائز ہے۔

سکوتی معصیت: سکوت کے ذریعے معصیت میں مبتلا ہونے سے مراد یہ ہے کہ حکمرانوں کی مجلسوں میں جانے والا عالم بالعموم وہاں ریشم کے بچھونے اور چاندی کے برتن دیکھتا ہے، حکمران اور اس کے غلاموں کو ریشم اور دیگر حرام لباس میں ملبوس پاتا ہے اور پھر بھی چپ سادھے رہتا ہے، حالانکہ شرعاً برائی دیکھنے کے باوجود اس پر چپ رہنا برائی میں شریک ہونے کے مترادف ہے۔ مزید یہ کہ وہ ان کی باتوں میں فحش گوئی، جھوٹ، گالم گلوچ اور ایذا رسانی سنتا ہے، اور اس سب پر چپ رہنا بھی حرام ہے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ سلاطین کے سامنے زبان کھولنے کی صورت میں اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے لہٰذا اس عالم کے پاس خاموش رہنے کا عذر موجود ہے، تو اصولاً تو یہ بات سچ ہے۔ لیکن کیا اس عالم کو یہ معلوم نہیں کہ رخصت کی یہ راہ اختیار کرنا محض شرعی عذر کے تحت ہی جائز ہے...... پھر بھی وہ کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر حاکم کے پاس کیونکر چل کر جاتا ہے جب کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ وہاں جا کر اسے گناہوں پر خاموش رہنا پڑے گا؟ نہ وہ حکمران کے پاس جائے، نہ ہی حکمران کا احتساب کرنے کا فرض اس پر عائد ہو! جس شخص کو

کسی جگہ ہونے والی گمراہی کا علم ہو اور یہ علم بھی ہو کہ وہ اس کا ازالہ نہیں کرسکتا تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ وہاں موجود رہے، پھر سب گناہ اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئیں اور وہ انہیں چپ چاپ دیکھے۔ ایسے شخص کا تو فرض بنتا ہے کہ وہ ایسی جگہوں سے ہی دور رہے اور تماش بینی سے اجتناب کرے۔

قولی معصیت: ظالم حکمران کے یہاں جانے والا شخص چار و ناچار اس کے لیے دعا بھی کرے گا، اس کی تعریف بھی کرے گا اور اس کے باطل اقوال کی تصدیق بھی کرے گا؛ چاہے یہ تصدیق برملا بول کر ہو، سر ہلا کر ہو یا چہرے کے تاثرات سے ہو۔ اسی طرح اسے حاکم کے لیے محبت، وفاداری، شوقِ ملاقات، درازئ عمر اور زندہ و پائندہ رہنے کے جذبات کا اظہار بھی کرنا پڑے گا، کیونکہ عام طور پر گفتگو محض سلام دعا تک محدود نہیں رہتی بلکہ اور بھی بہت کچھ کہنا پڑتا ہے۔

اب جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو ایسے حکمران کے لیے تو دعا کرنا جائز ہی نہیں، سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ ''اللہ تیرا حال درست کرے'' یا ''اللہ تجھے بھلائی کی توفیق عطا فرمائے'' یا ''اللہ اپنی اطاعت گزاری میں تیری عمر دراز کرے'' یا اس طرح کی دیگر دعائیں۔ رہا اسے ''مولیٰ'' یا ایسے دیگر معزز القابات سے پکار کر اس کے لیے حفاظت، لمبی زندگی یا نعمتوں کی فراوانی کی دعا کرنا، تو یہ کسی طور جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من دعى لظالم بالبقاء، فقد أحب أن يعصى الله في أرضه''.

''جس نے ظالم کے لیے درازئ عمر کی دعا کی تو اس نے (دراصل) یہ چاہا کہ زمین پر اللہ کی نافرمانی کی جائے''۔

پھر اگر دعا اپنی جائز حد سے بڑھ کر مدح و ثنا میں تبدیل ہو جائے اور اس میں حکمران کے ایسے اوصاف بیان کئے جائیں جو اس میں سرے سے موجود ہی نہیں تو ایسا کرنا ایک جھوٹے، منافق اور ظالم شخص کی تعظیم و اکرام کے مترادف ہوگا، جو کہ صریح گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''إن الله ليغضب إذا مدح الفاسق''.

''جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ کو غصہ آتا ہے''۔

دوسری روایت میں ہے:

''من أكرم فاسقًا فقد أعان على هدم الإسلام''.

''جس نے فاسق کا اکرام کیا، اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی''۔

پھر اگر حاکم کے پاس جانے والا شخص اس سے بھی آگے بڑھ کر اس کی باتوں کی تصدیق کرے اور اس کے کاموں کی تعریف کرے تو وہ اس تصدیق وتعریف کے سبب گناہ گار ہو گا۔ اس لیے کہ ایسے حکمران کی تعریف وتوصیف معصیت کے کاموں میں اس کی مدد واعانت کے مترادف اور اسے گناہوں پر مزید جمانے کا باعث ہے۔ اس کے برعکس، اسے جھٹلانا، اس کی مذمت کرنا اور لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت بٹھانا اسے اس فعل سے روکنے اور اس کی ہمتیں پست کرنے کا موجب ہے۔ پس معصیت میں مدد کرنا بھی معصیت ہے، چاہے یہ مدد آدھے حرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت سفیانؒ سے ایسے ظالم کے بارے میں پوچھا گیا جو بیابان میں قریب از مرگ ہو کہ کیا اسے پانی کا گھونٹ پلایا جا سکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''نہیں! اسے مرنے دو، اسی میں اس کا بھلا ہے''۔

اعتقادی معصیت: حکمرانوں کے یہاں جانے والا عالم دل کی بیماریوں سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ حکام کے یہاں فراوانیٔ دنیا دیکھنے اور حکام کی قربت پانے کے بعد اس امید میں رہتا ہے کہ اسے بھی ان اسبابِ دنیا میں سے کچھ حصہ نصیب ہو جائے گا۔ نتیجتاً وہ ان نعمتوں کو حقیر جاننے لگتا ہے جو اللہ نے پہلے سے اسے عطا کر رکھی ہوتی ہیں۔ ایسے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''يا معشر المهاجرين لا تدخلوا على أهل الدنيا فإنها مسخطة للرزق''.

''اے گروہِ مہاجرین! اہلِ دنیا کے یہاں نہ جایا کرو کیونکہ ایسا کرنا رزق کی ناقدری کا سبب بنتا ہے''۔

مزید برآں اس کا یہ عمل اوروں کو بھی یہ راہ دکھاتا ہے اور ظالم جتھے کی نفری میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

بلاشبہ درج بالا تمام صورتیں یا تو مکروہ ہیں یا پھر ممنوع ہیں۔ ان میں سے کسی بھی صورت میں حکمرانوں کے یہاں جانا درست نہیں، الا یہ کہ درج ذیل دو شرعی عذر یا ان میں سے کوئی ایک پایا جائے:

......ایک یہ کہ حاکم اپنے یہاں حاضر ہونے کا ''حکم'' دے، نہ کہ محض اعزاز واکرام کی غرض سے ''دعوت''؛ اور یہ بھی معلوم ہو کہ اگر حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو اس کے ہاتھوں اذیت کا سامنا کرنا

پڑے گا۔

......دوسرا یہ کہ کسی مسلمان کو ظلم سے نجات دلانے جایا جائے۔ایسی صورت میں حاکم کے یہاں جانے کی رخصت تو موجود ہے،لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہاں نہ تو جھوٹ بولا جائے،نہ ہی وہ نصیحت ترک کی جائے جس کے قبول ہونے کا امکان ہو‘‘۔

[پھر امام غزالیؒ لکھتے ہیں:]

’’اگر تم یہ کہو کہ علمائے سلف بھی تو حکمرانوں کے یہاں جاتے تھے تو میں کہوں گا کہ ہاں!تم یہ تو جانتے ہو کہ وہ جاتے تھے،لیکن (یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنی خوشی سے نہیں جاتے تھے بلکہ) انھیں زبردستی لے جایا جاتا تھا!

(اسی بارے میں) روایت ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک ایک مرتبہ حج کے لیے روانہ ہوا۔جب وہ مکہ پہنچا تو اس نے کہا:’’میرے پاس کسی صحابی کو لایا جائے‘‘۔اسے جواب دیا گیا:’’اے امیر المؤمنین!وہ تو تمام فوت ہو چکے ہیں‘‘۔اس نے کہا:’’تو تابعین میں سے کسی کو لایا جائے‘‘۔(حکم بجا لاتے ہوئے) حضرت طاوس یمانیؒ کو لایا گیا۔جب وہ داخل ہوئے تو انھوں نے اپنا جوتا قالین کے کنارے اتارا اور امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرنے کی بجائے ’’**السلام علیك یا هشام**‘‘ (یعنی السلام علیک اے ہشام) کہا اور خلیفہ کو اس کی کنیت سے بھی نہ پکارا۔پھر اس کے برابر بیٹھ کر کہا:’’تمہارا کیا حال ہے اے ہشام‘‘۔اس پر ہشام کو اتنا غصہ آیا کہ انھیں قتل کرنے پر تل گیا اور غضب ناک ہو کر پوچھا کہ:’’یہ حرکت تم نے کیوں کی؟‘‘ انھوں نے فرمایا:’’میں نے کیا کیا ہے؟‘‘ اس پر وہ مزید غصے اور طیش میں آ گیا،اور کہا:’’تم نے جوتے میرے قالین کے کنارے اتارے،نہ میرے ہاتھ کو بوسہ دیا،نہ مجھے امیر المؤمنین کہہ کر سلام کیا اور نہ ہی مجھے کنیت سے پکارا،پھر میری اجازت کے بغیر میرے برابر بیٹھ گئے اور کہا کہ تمہارا کیا حال ہے اے ہشام!!‘‘۔انھوں نے جواب دیا:’’تمہارا یہ کہنا کہ میں نے جوتے تمہارے قالین کے کنارے اتارے تو میں تو اپنے جوتے دونوں جہانوں کے پروردگار کے سامنے دن میں پانچ مرتبہ اتارتا ہوں،اور اس پر نہ تو وہ مجھے سزا دیتا ہے اور نہ مجھ پر غصے ہوتا ہے۔اور تمہارا یہ کہنا کہ میں نے تمہارے ہاتھ کو بوسہ نہ دیا تو وہ اس لیے کہ میں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو کہتے ہوئے سنا ہے:’’کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کا ہاتھ چومے،سوائے اپنی بیوی کا ہاتھ شہوت کی بنا پر یا اپنے بیٹے کا ہاتھ محبت سے‘‘۔رہا تمہارا یہ کہنا کہ میں

نے تمہیں امیر المؤمنین کہہ کر سلام نہیں کیا تو وہ اس لیے کہ تمام لوگ تمہاری امارت پر راضی نہیں، لہٰذا مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں جھوٹ بولوں۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ میں نے تمہیں تمہاری کنیت سے نہیں پکارا تو وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو ان کا نام لے کر بلایا اور کہا: اے داود، اے یحییٰ اور اے عیسیٰ (علیہم السلام)؛ جبکہ دشمنوں کو ان کی کنیت سے ذکر کیا اور کہا ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو''۔ [اللھب ۱] اور تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہارے برابر بیٹھ گیا تو میں نے اس بارے میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ''اگر تم چاہو کہ اہلِ دوزخ میں سے کسی شخص کی طرف دیکھو تو ایسے شخص کو دیکھ لو جو خود تو بیٹھا ہوا ہو جبکہ اس کے اردگرد لوگ کھڑے ہوئے ہوں''۔

ہشام نے جب یہ سنا تو کہا: ''مجھے نصیحت کیجیے''۔ انھوں نے فرمایا: ''میں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ: ''جہنم میں اونچے ستونوں کی طرح سانپ ہوں گے اور خچروں جتنے بڑے بچھو ہوں گے۔ وہ ہر اس حکمران کو ڈسیں گے جو اپنی رعایا کے ساتھ عدل نہ کرے''۔ یہ کہا اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔

(ایک اور روایت میں ہے کہ) حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: میں منیٰ میں ابوجعفر کے یہاں گیا تو اس نے مجھ سے کہا: ''اپنی ضرورت بیان کیجیے''۔ میں نے جواب دیا: ''اللہ سے ڈر! اس لیے کہ تو نے زمین کو ظلم و جور سے بھر دیا ہے''۔ یہ سن کر اس نے اپنا سر نیچے کر دیا، پھر کچھ دیر بعد دوبارہ سر اٹھا کر بولا: ''اپنی حاجت بیان کیجیے''۔ میں نے کہا: ''تجھے یہ مقام و مرتبہ مہاجرین اور انصار کی تلواروں کی بدولت حاصل ہوا ہے جبکہ ان کے بیٹے بھوک سے مرے جا رہے ہیں۔ اللہ سے ڈر اور ان تک ان کا حق پہنچا''۔ اس نے اپنا سر نیچے کر لیا اور پھر اٹھا کر بولا: ''اپنی حاجت پیش کیجیے''۔ میں نے کہا: ''حضرت عمر بن خطابؓ نے حج کیا تو اپنے خزانچی سے پوچھا: کتنا خرچ کر لیا تم نے؟ اس نے جواب دیا: دس سے بیس درہم''۔ (پھر حضرت سفیان ثوریؒ نے) فرمایا: ''جبکہ میں یہاں ایسی اشیاء دیکھ رہا ہوں جو کہ اونٹ بھی نہیں اٹھا سکتے''۔

پس جب ان حضرات کو حکمرانوں کے پاس جانے پر مجبور کیا جاتا تو بھی وہ اس نرالی شان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ وہ اللہ کو راضی کرنے کی خاطر دنیا کی آلائشوں سے دور بھاگتے تھے، یہی درحقیقت علمائے آخرت تھے۔ جبکہ علمائے دنیا حکمرانوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے لیے خود چل کر ان کے یہاں جاتے

ہیں، ان کے لیے رخصتیں ڈھونڈتے ہیں اور حیلوں کے دقیق نقاط سے استنباط کر کے ان کی چاہت کے مطابق شرعی احکامات میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں''۔

[یہاں امام غزالیؒ کی بات باختصار ختم ہوئی]

حضرت عزالدین بن عبدالسلامؒ (م ۶۶۰ھ)

حضرت عزالدین بن عبدالسلامؒ کی 'أمــــالـي' میں...... جو کہ ان کے شاگرد اور مالکی مذہب کے امام حضرت شہاب الدین القرافیؒ نے ان سے سن کر لکھی ہے...... مذکور ہے کہ:

ایک مرتبہ کسی سرکاری اہلکار نے حضرت عزالدین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ تحریری پیغام بھیجا کہ آپ بادشاہِ وقت سے ملا کریں اور اس سے راہ و رسم رکھا کریں تا کہ یہ آپ کے لیے موجبِ عزت ہو اور آپ کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کا باعث۔ اس پر آپؒ نے فرمایا:

''**قرأت العلم لأكون سفيرًا بين الله و بين خلقه، وأتردد إلى أبواب هؤلاء!؟**''

''میں نے تو علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر بنوں۔ اب کیا میں ان (حکمرانوں) کے در پر مارا مارا پھروں!''۔

امام قرافیؒ نے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اس قول سے آپؒ کا مقصود یہ ہے کہ علماء اللہ تعالیٰ (کی پسند و ناپسند اور اس کے اوامر ونواہی) کا علم اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں، گویا وہ رسالت سے مشابہ منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ پس جسے یہ شرف حاصل ہوا سے ایسی باتیں نہیں جچتیں''۔

حضرت ابن الحاجؒ (م ۷۳۷ھ)

حضرت ابن الحاجؒ 'المدخل' میں لکھتے ہیں:

''عالم کو چاہیے...... بلکہ اس پر لازم ہے...... کہ وہ دنیا داروں میں سے کسی کے یہاں آیا جایا نہ کرے۔ عالم کا حال تو یہ ہونا چاہیے کہ لوگ اس کے در پہ آئیں بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کے در پر جائے۔ (ان دنیاداروں کے یہاں جانے کے لیے) یہ کوئی عذر نہیں کہ وہ ان کی دشمنی یا حسد کے خوف سے یا ان کے شر سے بچنے کے لئے ان سے میل ملاپ رکھتا ہے۔ نہ ہی یہ کوئی قابلِ قبول عذر ہے کہ ان میں سے کسی صاحبِ اثر شخص سے تعلق رکھنا اسے دیگر دنیا داروں سے درپیش خطرات سے بچا لے گا۔ نہ ہی

اس بہانے سے جانا درست ہے کہ یہ تعلق استوار کرنا مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے ......یعنی انہیں کوئی منفعت پہنچانے یا کسی نقصان سے بچانے......کا ذریعہ ہوگا۔

یہ اس لیے کہ اگر تو وہ مسلمانوں کی کوئی منفعت حاصل کرنے کے لئے اپنی آزاد مرضی سے دنیاداروں کے پاس جائے اور اس کا ایسا کرنا لوگوں کی نگاہوں میں اس کی قدر و منزلت میں اضافہ کرتا ہو، تو اس منفعت سے برکت اٹھالی جائے گی۔ اور اگر وہ ان دنیاداروں کے خوف کے سبب ان کے پاس جائے تو یہ بات اور بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ میل ملاقات رکھنے کی صورت میں وہ ہر وقت ان ظالموں کی دسترس میں ہوگا اور وہ جب چاہیں گے اسے ضرر پہنچالیں گے۔

رہا مسلمانوں کو کسی نقصان سے بچانے کی خاطر دنیاداروں سے تعلق رکھنا، تو گویا وہ ایک ایسے خدشے کا سدِ باب کرنے کے لئے جس کا مستقبل میں وقوع پذیر ہونا بھی یقینی نہیں، ایک یقینی حرام فعل کا ارتکاب کر رہا ہے۔ مستقبل کے ممکنہ خدشات کا حقیقت میں ڈھلنا تو لازم نہیں، لیکن یہ واجب تو اس پر آج اور ابھی عائد ہوتا ہے کہ وہ تقربِ اہلِ دنیا جیسا شرعاً مذموم فعل ترک کردے۔

نیز اپنی اور مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کا طریقہ یہ نہیں، بلکہ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ حکمرانوں کے در پر جانے کی بجائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بھروسا اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے کہ اللہ جل شانہ ہی دراصل قاضی الحاجات اور مشکل کشا ہے۔ وہی دلوں کو مسخر کرنے والا ہے......جس کے لیے چاہے اور جیسے چاہے دلوں کو کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے سید الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی''۔[**الأنفال: ٦٣**] اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دلوں کے مسخر کرنے کو اپنے نبیؐ پر کئے جانے والے احسانات میں شمار فرمایا ہے۔ اب اگر ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اپنے جملہ معاملات مخلوق کی بجائے خالق کے سپرد کردے اور ساری دنیا سے منہ موڑ کر اسی کی طرف رخ کرلے تو اللہ رب العزت بھی اس کے ساتھ اسی مہربانی و احسان کا معاملہ فرمائیں گے جیسا اپنے نبیؐ کے ساتھ فرمایا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کے در پر جانے سے بھی بچالیں گے، جہاں جانا اس کے حق میں زہرِ قاتل ہے۔

پھر کاش یہ اہلِ علم مذکورہ بالا امور پر ہی اکتفا کر لیتے ،مگر وہ تو اس سے بھی بدتر اور سنگین فعل کے مرتکب ہوتے ہیں...... جب وہ کہتے ہیں کہ ان کا حکمرانوں کے پاس جانا ازراہِ تواضع وانکساری ہے، یا انہیں خیر کی راہ دکھانے کی غرض سے ہے یا ایسے ہی دیگر عذر بیان کرتے ہیں۔اس قسم کے (دینی) بہانوں کی آڑ میں حکمرانوں کے پاس جانے کی وباء آج عام ہو چکی ہے اور اس میں زیادہ خطرناک پہلو یہ ہے کہ ایسے بہانے بنانے والوں کے توبہ کرنے اور باز آنے کا امکان بھی کم ہوتا ہے۔

بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ اگر ایک ثقہ شخص قاضی کے یہاں آتا جاتا رہے تو اس کا کردار مشکوک ٹھہرتا ہے اور اس کی گواہی بھی رد ہو جاتی ہے۔اگر قاضی کے یہاں جانے والے کا کردار مشکوک اور گواہی رد ہو جاتی ہے......حالانکہ قاضی مسلمانوں کے علماء میں سے ایک عالم ہوتا ہے،جس کی مجلس حکمرانوں کی مجالس میں بالعموم پائی جانے والی خرافات سے محفوظ ہوتی ہے......تو قاضی کے علاوہ کسی کے یہاں آنے جانے کا کیا نتیجہ ہونا چاہیے!اس سے منع کیا جانا تو زیادہ اہم اور ضروری ہے''۔

ایک اور جگہ آپؒ نے فرمایا:

''عالم کو چاہیے کہ اگر اس کے مدرسے کا وظیفہ بند کر دیا جائے تو پھر بھی وہ اپنی محنت جاری رکھے اور تنگ یا دلبرداشتہ نہ ہو۔عین ممکن ہے کہ یہ وظیفہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کے طور پر کاٹا گیا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ یہ عالم اپنے علم اور عمل میں سچا تھا یا نہیں؟ جہاں تک اس کے رزق کی بات ہے تو اس کی تو ضمانت دے دی گئی ہے،لیکن یہ لازم نہیں کہ یہ رزق ہمیشہ ایک ہی جگہ سے ملے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من طلب العلم تكفل الله برزقه''.

''جو شخص طلبِ علم میں مشغول ہو اللہ اس کے رزق کا ذمہ اٹھا لیتے ہیں''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ تعلیم و تعلّم میں مصروف شخص کو اللہ تعالیٰ محنت و مشقت کے بغیر ہی آسانی سے رزق فراہم کر دیتے ہیں۔اگرچہ تمام مخلوقات کا رزق اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے ہے لیکن یہاں عالم کا بطورِ خاص ذکر کرنے کی حکمت یہی ہے کہ اسے اس کا رزق محنت و مشقت کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے۔اس کے حصے کی تکلیف اور مشقت اس کی پڑھائی، مطالعے اور مسائل کو سمجھنے، سمجھانے میں رکھ دی گئی ہے۔شرعی مسائل کا فہم حاصل کرنا اور انسانوں کی مختلف طبیعتیں سمجھ کر ان تک مناسب ترین انداز میں یہ فہم منتقل

کرنا اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق اور اس کے لطف واحسان سے ہی ممکن ہے۔ اس غیر معمولی صلاحیت کا ملنا ہی علماء کی اصل کرامت ہے، چاہے انہیں اولیاء کی طرح پانی پہ چلنے یا ہوا میں اڑنے جیسی حِسی کرامتیں نہ بھی نصیب ہوں۔ پس اسے چاہیے کہ ان لوگوں کے یہاں جا کر جن کے ہاتھ میں وظیفہ بحال کرنے، یا اس بارے میں سفارش کرنے، یا اس کی جگہ دوسرا وظیفہ جاری کرنے کا اختیار ہو...... اس مقام ومرتبے کو رسوا نہ کرے۔

ایک باوثوق شخص نے مجھے بتایا کہ وہ ایک ایسے عالم کو جانتا ہے جو کسی مدرسے میں تعلیم دیتا تھا اور اس کا اور اس کے طلبہ کا وظیفہ بند کر دیا گیا۔ طلبہ نے اس سے کہا کہ: اگر آپ فلاں...... دنیادار...... سے ملنے جائیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ وظیفہ بحال کر دے۔ اس نے جواباً کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سفید بال اس کے یہاں جھٹلا دیئے جائیں''۔ طلبہ نے کہا: وہ کس طرح؟! اس نے کہا: ''میں ہر روز صبح کے وقت یہ دعا کرتا ہوں: اے اللہ تیری دَین کو روکنے والا کوئی نہیں اور جس چیز سے تو محروم کر دے اسے دینے والا کوئی نہیں۔ کیا یہ کہنے کے بعد میں کسی مخلوق کے سامنے کھڑا ہو کر اس سے سوال کروں؟ اللہ کی قسم! میں ایسا ہرگز نہ کروں گا''۔

عالم کے شایانِ شان تو یہی ہے کہ وہ رزق ملنے، نہ ملنے کے معاملے میں فقط اپنے رب پر بھروسہ کرے۔ گھر والوں کی خاطر مخلوق سے سوال کرنا بھی عالم کی شان کے منافی ہے کیونکہ اگر وہ اپنے سینے میں موجود علم کے مقام کا پاس کرتے ہوئے ایسا کرنے سے رک جائے تو عزت والا خدا اسے ہرگز رسوا نہ کرے گا...... یا تو وہ اس کی ضرورت پوری کر دے گا، یا اپنے غیب سے اس سے بھی بہتر چیز عطا کرے گا۔ وہ ضرور اس کی مدد کرے گا اور اس کی ضرورت کو جیسے، جس طریقے سے چاہے گا پورا کرے گا۔ رب اس بات کا پابند نہیں کہ کسی ایک خاص ذریعے ہی سے رزق عطا کرے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت تو یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو بالعموم کسی ایسے ذریعے سے رزق دیتا ہے جس کا اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ دراصل اللہ چاہتا ہے کہ علماء اس کی خاطر ہر چیز سے کٹ جائیں، ہر معاملے میں اسی پر بھروسہ کریں، اسباب پر دھیان نہ دیں بلکہ مسبب الاسباب اور اسباب پر قدرت رکھنے والے کی طرف دیکھیں۔ آخر علماء سے یہ خودداری اور توکل کیوں نہ مطلوب ہو جبکہ وہ خلائق کے مرشد اور انھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں۔ بے شک جو اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز چھوڑے تو اللہ بدلے میں اسے اس سے بہتر چیز دیتا

ہے، اور وہاں سے دیتا ہے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا''۔

حضرت علی بن حسن الصندلیؒ (م۴۸۴ھ)

کتاب **طبقات الحنفیة** میں حضرت علی بن حسن الصندلیؒ کی سوانحِ عمری میں مذکور ہے کہ:

سلطان ملک شاہ نے آپؒ سے کہا: ''تم میرے یہاں کیوں نہیں آتے؟'' آپؒ نے جواب دیا: ''میں نے چاہا کہ آپ ان بہترین بادشاہوں میں سے ہوں جو خود علماء سے ملنے آتے ہیں؛ اور میں ان بدترین علماء میں سے نہ ہوں جو خود جا کر بادشاہوں سے ملتے ہیں''۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن النسائیؒ (م۳۰۳ھ)

امام ابن عدیؒ نے 'الکامل' میں ذکر کیا ہے کہ میں نے ابوحسن محمد بن مظفر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''میں نے مشائخِ مصر کو ابوعبدالرحمٰن النسائیؒ کی پیشوائی اور امامت کا اعتراف کرتے ہوئے سنا ہے۔ رات کی عبادت گزاری اور اس پر مداومت کی تعریف سنی ہے۔ اس بات کا بھی اعتراف کرتے سنا ہے کہ جب وہ والیٔ مصر کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے تو ہر معاملے میں نہایت خودداری کا مظاہرہ کیا، ثابت شدہ سنتوں کو زندہ کیا اور جس حاکم کے ساتھ جہاد پہ نکلے تھے اس کے پاس بیٹھنے سے مکمل اجتناب کیا۔ آخری وقت تک آپ کا یہی حال رہا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو''۔

امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ)

علامہ مزیؒ نے اپنی کتاب **تھذیب الکمال** میں امام بخاریؒ کے استاد حضرت ابویحییٰ احمد بن عبدالملک الحرانیؒ کی سوانح میں ذکر کیا ہے کہ:

ابوحسن میمونیؒ نے کہا: میں نے (حضرت ابویحییٰ کے بارے میں) امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''وہ ہمارے درمیان رہے، میں نے انہیں ایک سمجھ دار آدمی پایا اور ان میں کوئی قابلِ اعتراض چیز نہ دیکھی۔ انھیں احادیث زبانی یاد ہوتی تھیں۔ میں نے ان میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا''۔ میں نے کہا: میں نے بعض لوگوں کو ان پر تنقید کرتے سنا ہے (اس کا کیا سبب ہے)؟ انھوں نے جواب دیا: ''ہاں! وہ اپنی کسی جائیداد کی خاطر حکمران کے یہاں جایا کرتے تھے (اس وجہ سے ان پر تنقید کی جاتی ہے)''۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ (م۱۶۲ھ)

علامہ مزیؒ نے **تهذيب الكمال** میں رشدین بن سعد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کو یہ کہتے سنا کہ:

''آخری زمانے میں سب سے کمیاب (نادرالوجود) چیزیں تین ہوں گی:

......وہ دینی بھائی جس کی اقتداء کی جائے۔

......وہ درہم جو حلال کی کمائی سے ہو۔

......اور حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق''۔

کنتم خیر أمة أخرجت للناس

تحریکِ لال مسجد

فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عملی سبق

مولانا مہدی معاویہ

تحریکِ لال مسجد کا مفصل تعارف ہم تیسرے شمارے میں پڑھ چکے ہیں۔اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ غازی برادران کی یہ تحریک حالیہ دور میں دوررس اثرات کی حامل اسلامی تحریک تھی۔اس تحریک کے واضح نقوش امیر المؤمنین سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریکِ اصلاح و جہاد، حضرت حاجی شریعت اللہؒ کی فرائضی تحریک، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے جہادِ شاملی اور حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ ریشمی رومال میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔تحریکِ لال مسجد عہدِ حاضر میں ہزاروں لاکھوں مؤمنینِ قانتین اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے دلوں کی پکار تھی......امتِ مسلمہ کی تنزلی اور نکبت واِدبار پر خون کے آنسو بہانے والے علماء وصلحاء اور مشائخِ کرام کی آہِ نیم شب اور دعائے سحر گاہی کا جواب تھی......یہ ان شہداء کے خون کی پکار تھی جنھوں نے اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کو اللہ کی راہ میں قربان کیا؛ صرف اس لیے کہ اس ملک میں لا الہٰ الا اللہ کی حکمرانی قائم ہو، دین کا بول بالا ہو اور یہاں ہر مسلمان کو اطاعت و بندگیٔ رب کے لیے فراواں مواقع میسر ہوں۔

غازی برادران اور ان کے رفقاء نے جس مقصد کی طرف دعوت دی بلاشبہ وہ حق اور سچ تھا۔انھوں نے ایک ایسے وقت میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا، جب ہر طرف فحاشی وعریانی اور معصیتوں کا دور دورہ تھا۔ایک ایسے وقت میں جب چہار جانب مہیب سناٹا تھا اور پرویزی استبداد کا سرکش گھوڑا ہر کس وناکس کو پاؤں تلے مسلسل روندرہا تھا، غازی برادران نے دارالحکومت اسلام آباد میں بیٹھ کر ظالم وجابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، کسی پس وپیش کے بغیر صدائے حق بلند کی۔امرِ واقع یہ ہے کہ لال مسجد سے نفاذِ شریعت کے حق میں اٹھنے والی آواز ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی!

چاہیئے تو یہ تھا کہ ہر صاحبِ ایمان آگے بڑھ کر اس صدائے رُستاخیز کا ساتھ دیتا، مگر یا أسفٰی! بعض دینی حلقوں کی جانب سے بے توجہی، بے اعتنائی، بیگانگی اور لاتعلقی کی ایسی مثال قائم کی گئی کہ تاریخ اسے

کبھی بھلانہ پائے گی۔ جہاں ایک جانب وہ اہلِ حق علماء تھے جنہوں نے تحریکِ لال مسجد کی کھلی و چھپی تائید کی اور ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا، وہیں علماء اور دینی تنظیموں کے قائدین میں ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو تعداد میں قلیل ہونے کے باوجود ذرائع ابلاغ پر اثر ورسوخ رکھتا تھا اور جس نے اس تحریک کی بھرپور علانیہ مخالفت کی۔ ان شخصیات کا جو مجموعی مؤقف جنوری ۲۰۰۷ء تک جدید ابلاغیات کی فضائی لہروں پر زیرِ گردش رہا اس نے تحریکِ لال مسجد کو تنہا اور سبوتاژ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مثلاً ۱۷ اپریل ۲۰۰۷ء کو پشاور میں ایم ایم اے میں شامل ایک معروف سیاسی جماعت نے ''اسلام کا نظامِ اعتدال کانفرنس'' منعقد کی جس کے شرکاء نے لال مسجد کی طرف سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذیل میں آنے والے شرعی اقدامات پر تند و تیز لہجے میں اظہارِ خیال کیا، غازی برادران کو ہدفِ تنقید و ملامت بنایا اور اُن کے طریقِ کار کی شدید مخالفت کی۔

اسی طرح گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے رسالے ''الشریعہ'' کے مدیر جناب زاہد الراشدی صاحب نے لال مسجد پر حملے کے بعد جو اداریہ سپردِ قلم کیا، وہ غازی برادران کے خلاف تند و تیز لہجہ لئے ہوئے تھا۔ مدیر ''الشریعہ'' نے اپنے اداریے میں مولانا عبدالعزیز اور غازی عبدالرشید شہیدؒ کی تحریک کو بغاوت، سرکشی اور تشدد پر مبنی گردانا اور غازی برادران کو اسلاف کی روایات کا باغی قرار دیا۔ انھوں نے لکھا کہ:

> ''مولانا عبدالعزیز اور غازی عبدالرشید شہیدؒ کے طریقِ کار سے ہم نے پہلے بھی اختلاف کیا تھا اور اب بھی ہم اسے غلط ہی سمجھتے ہیں۔ ایک مسلمان ملک میں حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانا، قانون کو ہاتھ میں لینا اور مسلح تصادم کا ماحول پیدا کرنا ہمارے نزدیک شرعاً اور اخلاقاً کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہے''۔

انھوں نے جامعہ حفصہؓ کے شہداء کے لیے دعا کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ:

> ''ہمیں سیکورٹی فورسز کے ان نوجوانوں سے بھی گہری ہمدردی ہے، جنھوں نے اپنی جانیں پیش کیں، وہ ڈیوٹی پر تھے اور فرائض انجام دے رہے تھے، ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت شہداء کو جوارِ رحمت میں جگہ دیں''۔ (دیکھئے ''الشریعہ'' شمارہ اگست ۲۰۰۷ء)

(صاحبِ 'الشریعہ' کا کردار حالیہ دنوں میں مزید تشویش ناک ہوگیا ہے۔ ان کے رسالے میں غامدیت و

جدیدیت کا رنگ بہت گہرا چڑھ چکا ہے، اور حمایتِ سلاطین اور مخالفتِ جہاد اسی کا شاخسانہ ہے۔ راہِ اسلاف سے اس انحراف کے سبب مدیر ماہنامہ وفاق المدارس بھی ماضی قریب میں ان پر تنقید کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو حق دیکھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین! مدیر)

تحریکِ لال مسجد سے مخالفت پر مبنی مؤقف کے اظہار نے جہاں ایک طرف امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ پر مبنی اس اسلامی تحریک کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلائے، وہیں غازی برادران کو اپنے ہی ماحول میں تنہا بھی کر دیا۔ پس جب استبدادی ایجنٹوں کو خوب اندازہ ہو گیا کہ اب کوئی بھی جماعت یا فرد لال مسجد کے حق میں آواز نہیں اُٹھائے گا تو ۳ جولائی ۲۰۰۷ء کی سہ پہر مجاہدینِ لال مسجد کے خلاف حملے کا آغاز کر دیا گیا۔

۳ جولائی سے ۱۰ جولائی تک پوری قوم جس درد وکرب سے گزری سو گزری، مگر بیشتر مذہبی جماعتوں کی قیادت نے جس لاتعلقی، سرد مہری اور اجنبیت کا مظاہرہ کیا، وہ اس سے بھی سِوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ تحریکِ لال مسجد کا طرزِ عمل اور ان کے مطالبات کیا ایسے ہی غلط اور ناقابلِ ذکر تھے کہ ان کی حمایت نہیں کی جا سکتی تھی؟ کیا جہاد وشہادت کا پرچم بلند کرنا، فحاشی وعریانی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا، علاقے میں قائم زنا کے اڈوں کو ختم کرنے کی تگ ودو کرنا، اسلام کے نہایت اہم شعبے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا احیاء کرتے ہوئے ''آنٹی'' شمیم، چائنیز مساج سینٹر اور فحش سی ڈیز فروخت کرنے والوں کو تنبیہ کرنا، انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا اور انہیں ہدایتِ الٰہی کی جانب رغبت دلانا ایسا ہی ''جرم'' تھا کہ انہیں حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹانے والوں کی بالواسطہ مدد کی جاتی؟

آیئے! اب اس تمام تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے، جس کا تذکرہ یاس وافسوس اور بہتے آنسوؤں کے سوا کیا ہی نہیں جا سکتا، ہم دیکھتے ہیں کہ حق کیا ہے؟ راہِ حق کیا ہے؟ اور علماء کا فرضِ منصبی کیا ہے؟

علماء کا اصل منصب کیا ہے؟

علم اصل میں علمِ شریعت ہے۔ شریعت کے سوا باقی سب جہالت کی پوٹ ہیں۔ علمِ دین کے محافظ و وارث علمائے کرام ہیں، اس دین کا محض تعلیم وتعلّم ان کے ذمے نہیں بلکہ اس کا بیان وتبیان، اس کی تبلیغ و اشاعت اور معاشرتی سطح پر اس کی تنفیذ بھی علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔ معاشرے میں پیدا ہونے والے بگاڑ اور منکرات کے خاتمے کی جدوجہد کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شعبے کا احیاء بھی اصلاً

علمائے دین ہی کے ذمے ہے اور یہ محض معمولی ذمہ داری نہیں بلکہ فرض کے درجے میں ہے۔ علماء عامۃ الناس کے لیے مقتدیٰ اور پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وارثینِ انبیاءؑ ہونے کی وجہ سے انھی کا حق ہے کہ ان کی پیروی اور تقلید کی جائے، دینی و دنیوی معاملات میں ان سے رہنمائی لی جائے۔ بقول امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

"هم الذين يغذون الناس بالحكمة و يربونهم".

''علماء ہی ہیں جو لوگوں کو حکمت وموعظت کی غذا دیتے ہیں اور ان کی تربیت کرتے ہیں''۔

علماء کے ذمے ہے کہ وہ دینِ حق کو کھول کر بیان کریں، اس کے حلال وحرام اور اس کے اوامر ونواہی کے بیان میں سستی، مداہنت اور کتمان سے بچیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ (آل عمران ۱۸۷)

''اور جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی (یعنی علماء سے) کہ تم انسانوں کے سامنے اس کتاب کو خوب کھول کھول کر بیان کرنا اور اسے مت چھپانا''۔

دوسری جگہ علمائے امت کو حق کے ساتھ وابستگی اور عزیمت کی راہ اختیار کرنے کی زوردار انداز میں تلقین کی گئی ہے اور اس سلسلے میں اپنی جانوں اور عزیز واقرباء کی بھی پروا نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ (النسآء ۱۳۵)

''اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے حق پر جمے رہو، خواہ یہ گواہی خود تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین اور تمہارے قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔ کوئی امیر ہو یا غریب، دونوں ہی صورتوں میں تمہاری نسبت اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے''۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک نہایت اہم فرض اور اس امت کا خصوصی امتیاز ہے

معاشرے کو منکرات سے پاک کرنا، ظلم و غارت گری کو ختم کرنا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت کا حکم دینا اہلِ ایمان کا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا اس فریضے کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی

ہے اوراسے ترک کرنے پر شدید ترین وعیدیں آئی ہیں۔علمائے امت نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اقسامِ جہاد میں شمار کیا ہے۔قرآن مجید میں اس کام کی انجام دہی پر خاص زور دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَ لْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

''اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے،معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کیلئے مبعوث کئے گئے ہو،معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

اس کے علاوہ بھی کئی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ؐ اس مؤکد حکم کی اہمیت بیان کرتی ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے قوت کا استعمال

کچھ حضرات دعوت وتبلیغ کے عمل کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے خلط ملط کرتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں دعوت اور امر بالمعروف کے عمل کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔یہ دونوں شریعت کے دو بالکل علیحدہ باب ہیں، البتہ دعوت وتبلیغ کے عمل کو امر بالمعروف کے عمل کا معاون ضرور کہا جا سکتا ہے۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تو پہلا درجہ ہی برائی کو اپنے ہاتھ سے یعنی قوت و طاقت سے ختم کرنا ہے۔جو لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں سختی نہیں اور بزورِ قوت برائی کو ختم کرنا پسندیدہ نہیں بلکہ انتہا پسندانہ اور تشدد پسندانہ کارروائی ہے،ان کے لیے درج ذیل حدیث سرمۂ بصیرت ہے۔اس حدیث میں منکر کو ختم کرنے کا پہلا درجہ ہی طاقت کا استعمال بتایا گیا ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع

فبقلبه و ذٰلك أضعف الإيمان''.

''تم میں سے جو شخص کسی خلافِ شرع امر کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس کو اپنے ہاتھوں سے بدل ڈالے، اگر اس کی استطاعت نہ رکھے تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں ہی برا جانے، اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے''۔

(صحيح المسلم؛ كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان)

صاحبِ مظاہرِ حق علامہ نواب قطب الدین خان رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

''واضح رہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ صرف حاکم اور مقتدر مسلمانوں پر ہی عائد نہیں ہوتا، اور نہ یہ ضروری ہے کہ اس امر کی انجام دہی کے لیے حاکم اپنی طرف سے احکام جاری کرے بلکہ اس کا حق عام لوگوں کو بھی پہنچتا ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام کو انجام دیں۔ اور ایسے زمانے میں جبکہ طاقت واقتدار رکھنے والے مسلمان اس فریضے سے بالکل لا پرواہی برت رہے ہوں تو خصوصیت سے عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں اور تمام مسلمانوں میں بھی زیادہ ذمہ داری علماء ومشائخ پر عائد ہوتی ہے''۔

(مظاہرِ حق، جلد۴، ص ۲۶۷)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑنے پر عذابِ الٰہی کی وعید

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن اللّٰه أن يبعث عليكم عقاباً منه ثم تدعونه فلا يستجاب لكم''.

''قسم ہے اس ذات کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم ضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا، پھر تم اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی''۔

(جامع الترمذي؛ باب ما جاء في الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر)

عمومی عذاب کی وعید

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

''إن الناس إذا رأوا منكرًا فلم يغيروه يوشك أن يعمهم اللّٰه بعقاب''.

''بلاشبہ جب لوگ کسی منکر کو دیکھیں اور اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر عمومی عذاب نازل کردے''۔

(المعجم الأوسط للطبراني)

اور ابوداوٗدؒ کی روایت میں ہے کہ:

''إن الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم اللّٰه بعقاب''.

''جب لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کے دستِ ظلم کو نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر عمومی عذاب نازل کردیں''۔

(سنن أبي داؤد؛ باب الأمر والنهي)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ منقول ہے، جس میں ایک جملہ یوں ہے کہ:

''ألا لا يمنعن رجلا هيبة الناس أن يقول بحق إذا علمه''.

''تم میں سے کسی شخص کو بھی لوگوں کا خوف وہیبت حق بات کہنے سے باز نہ رکھے، جب کہ وہ حق بات سے واقف ہو......''

(جامع الترمذي؛ كتاب الفتن، باب ما أخبر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أصحابه...، وسنن ابن ماجة)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''......ان رأى منكراً أن يغيره''.

یعنی ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی خلافِ شرع امر کو دیکھے تو لوگوں کا خوف وہیبت اس کو خلافِ شرع امر کی سرکوبی واصلاح سے باز نہ رکھے''۔

ذرا غور فرمائیے کہ آج کتنی ہی جماعتیں اصلاح ودعوت کی پکار لے کر گاؤں گاؤں قریہ قریہ گھوم رہی ہیں، دین کی نشر واشاعت اور تبلیغ کے ذرائع ماضی کی نسبت کہیں زیادہ کام کررہے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عمومی عذاب اس کے باوجود بھی ہم پر مسلط ہیں؛ مثلاً فحاشی وعریانی کا عذاب، فاسق وجابر حکمرانوں کا تسلط، طرح طرح کی لاعلاج بیماریوں کا عذاب، قتل وغارت، ڈکیتی اور رشوت خوری کا

عذاب۔ اِس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ دعوت اور ترغیب وترہیب کا عمل ایک چیز ہے جبکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ایک دوسری چیز ہے۔ آج ہم لوگ بحیثیتِ مجموعی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے عمل کو چھوڑ چکے ہیں......نہ صرف دین کے اس نہایت اہم شعبے کو چھوڑ چکے ہیں بلکہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اس شعبے کے احیاء کی فکر لے کر اٹھتا ہے تو اسے مسترد کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے دل ودماغ پر دشمن کے ساز وسامان اور عسکری قوت کا خوف مسلط رہتا ہے، ہمیں یہ خوف رہتا ہے کہ ہمارے کسی فعل پر غیر مسلم انگلیاں نہ اٹھائیں کہ دیکھو یہ متشددانہ کارروائی کر رہے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرۃ:۱۲۰)

''اورتم سے یہود ونصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے، یہاں تک کہ تم اُن کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو''۔

حقیقت تو یہ ہے کہ غازی عبدالرشید رحمہ اللہ نے ان ظالم اور بد باطن حکمرانوں کی ہیبت وسطوت اور لوگوں کی ملامت کی پروا کئے بغیر حق بیان کیا، حتیٰ کہ مخالفت کرنے والے علماء کی شدید تنقید بھی نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کی۔ انھوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں جس بات کو حق جانا، اس کے اظہار میں مداہنت سے کام نہیں لیا۔ حق تو یہ تھا کہ غازی برادران کی بہ دل وجان حمایت ونصرت کی جاتی اور زبان و قلم کو نفاذِ شریعت کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانے پر صرف کیا جاتا، مگر وائے حیرت وافسوس کہ مخالفت کرنے والے حضرات اگر لب کشا ہوئے بھی تو اپنوں ہی پر تنقید کے لیے......**فیا أسفی علی ما فرطتم في جنب اللّٰه!** حق کی مخالفت کرنے والے، مداہنت پسند علماء کے بارے میں احادیث کیا کہتی ہیں، آیئے! ذرا ایک نظر ادھر بھی ڈالتے جائیں۔

مداہنت پسند علماء کے لئے وعیدیں

وہ علماء جو حق کا ساتھ نہیں دیتے بلکہ ظالم حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے باغیوں کے ساتھ مجالست کرتے ہیں، ان کے عشائیوں میں شرکت کرتے ہیں، فاسق حکمرانوں سے مراعات حاصل کرتے ہیں اور بدلے میں ظالم حکمرانوں کو اپنی علمی وجاہت کی بدولت اخلاقی اور سیاسی تعاون فراہم کرتے ہیں؛ حدیث شریف میں انہیں ملعون قرار دیا گیا ہے:

''وعن عبداللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

وسلم: لما وقعت بنو إسرائيل في المعاصي نهتهم علمائهم فلم ينتهوا فجالسوهم وواكلوهم وشاربوهم فضرب اللّٰه قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داود وعيسیٰ ابن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون. قال فجلس رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وكان متكئاً، فقال: لا والذي نفسي بيده! حتى تأطروهم أطراً، وفي رواية؛ قال كلا واللّٰه! لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتأخذن على يدي الظالم ولتأطرنه على الحق أطراً ولتقصرنه على الحق قصراً أو ليضربن اللّٰه بقلوب بعضكم على بعض ثم ليعلننكم كما لعنهم''.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی اسرائیل جب گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا اور جب وہ باز نہ آئے تو ان کے علماء بھی ان کی مجلسوں میں ان کے ہم نشیں بن گئے، اور ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ ہو گئے (یعنی ان کے علماء نے پہلے تو انھیں ان کے برے اعمال سے روکا لیکن جب وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور اپنی برائی پر جمے رہے تو پھر علماء بھی ان بدعملوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے اور سکوت و مداہنت کی راہ پر لگ گئے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو خلط ملط کر دیا اور ان کے دلوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان (مداہنت پسند علماء) پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان سے لعنت فرمائی، اور یہ لعنت اس لیے کی گئی کہ ان لوگوں نے گناہ کئے تھے اور حد سے تجاوز کیا تھا''۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے، (مذکورہ بالا باتیں ارشاد فرمانے کے بعد) سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم اس وقت تک عذابِ الٰہی سے نجات نہیں پاسکو گے جب تک کہ ظالموں کو ان کے ظلم سے اور فاسقوں کو ان کے گناہوں سے نہ روکو گے''۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''(تمہارا گمان یہ ہے کہ سکوت و مداہنت کے باوجود تمہیں عذابِ الٰہی سے نجات مل جائے گی؟ تو) ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ خدا کی قسم! تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم لوگوں

کو نیکی کی راہ اختیار کرنے کا حکم دو اور انھیں برائی کی راہ سے روکو، ظالم کا ہاتھ پکڑو، اس کو حق کی طرف مائل کرو اور اسے حق وانصاف کی راہ پر قائم کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے (تو) پھر (جان لو کہ) اللہ تمہارے گناہ گاروں اور ان سے سکوت و مداہنت کرنے والوں کے دلوں کو آپس میں خلط ملط کر دے گا اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت فرمائے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر فرمائی تھی''۔

(جامع الترمذي، سنن أبي داؤد، مسند أحمد بن حنبل؛ كتاب الفتن)

ان آیات واحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی برائی کے خلاف یا کسی ظالم و جابر حکمران کے خلاف محض قرارداد پاس کر لینا، احتجاجی تقریریں کر لینا کافی نہیں بلکہ برائی کو ہاتھ سے ختم کرنا اور ظالم کو اس کے ظلم سے بزور منع کرنا لازم ہے، ورنہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض ادا نہیں ہوتا۔

ان نصوص کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحریکِ لال مسجد کی قیادت حق و صواب پر تھی، اور ان کی مخالفت کرنے والے اور ان کے طرزِ عمل کو غیر شرعی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی کہنے والے دراصل خود غلط طرزِ عمل اور غیر شرعی مؤقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ان کے پاس لال مسجد کی قیادت کے اقدامات کے خلاف کوئی دلیلِ شرعی نہیں تھی۔

قانون کی خلاف ورزی کا شوشہ

تحریکِ لال مسجد کے مخالف علماء نے نہ صرف بغیر کسی شرعی دلیل کے ان کے اقدامات کی مخالفت کی بلکہ انہیں ''غیر قانونی'' قرار دیتے رہے۔ بار بار یہ کہا گیا کہ اسلام ہمیں ''قانون'' ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ جس قانون کی پاس داری کا بار بار اصرار اور مطالبہ کیا گیا؛ یہ وہ قانون ہے جس میں مساجد شہید کرنا، زنا و شراب کے اڈے قائم کرنا، آزادی کے نام پر عورتوں کو بازاروں کی زینت بنانا، سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کو جواز فراہم کرنا سب روا ہے۔ یہ وہ قانون ہے جو کفر کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور اسلام کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اس کافرانہ قانون اور آئین کا بت پاش پاش کرنا تو واجب ہے نہ کہ اس قانون کی پاس داری...... اس قانون کی پاس داری کیونکر کی جا سکتی ہے جبکہ قرآن مجید میں واشگاف الفاظ میں قانونِ الٰہی کے علاوہ کسی دوسرے قانون کو تسلیم کرنے پر شدید ترین وعیدیں آئی ہیں۔

قانونِ کفر کو تسلیم کرنا کفر، ظلم اور فسق ہے

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

۱. ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدة:۴۴)

''اور جولوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں''۔

۲. ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدة:۴۵)

''اور جولوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ ظالم ہیں''۔

۳. ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدة:۴۷)

''اور جولوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ فاسق ہیں''۔

شریعتِ اسلامیہ کے سوا باقی تمام قوانین طاغوت ہیں

شریعتِ اسلامیہ کے سوا باقی تمام قوانین طاغوت ہیں، طاغوت کی پیروی منافقت اور گمراہی ہے اور طاغوت کا انکار واجب ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا. وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ (النسآء:۶۰،۶۱)

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر اتاری گئی ہے، اور اس پر بھی جو تم سے پہلے اتاری گئی، لیکن چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لیے اپنے معاملات طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انھیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انھیں نہایت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ وہ تم سے کترا جاتے ہیں''۔

اسلام کے سوا کسی قانون میں پناہ چاہنا آخرت کا بدترین خسارہ ہے

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل

عمران :۸۵)

''اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا''۔

ان آیاتِ بیّنات میں غور وفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی غیرت قطعاً گوارا نہیں کرتی کہ قرآن وسنت کے علاوہ کسی قانون کی طرف نگاہِ التفات بھی کی جائے۔ قانونِ شریعت کے سوا کسی دوسرے تیسرے قانون کی پاس داری کرنا، اس کا احترام کرنا اور اپنے معاملات میں اسے فیصل تسلیم کرنا؛ حرام ہے۔ ایسے کفریہ قوانین کی قوت وسطوت اور شان وشوکت توڑنا واجب ہے، اس لیے کہ کفریہ قوانین ہماری دنیا وآخرت کے خسارے اور عذابِ الٰہی کا سبب ہیں۔

تحریکِ لال مسجد کے سلسلے میں خروج کی بحث

کچھ مخالفین نے فقہ حنفی کا حوالہ دیتے ہوئے خروج کی بحث بھی اٹھائی ہے۔ انھوں نے موجودہ حالات کے بگاڑ اور سرمایہ دارانہ کفری اقتدار کی ماہیت اور کیفیت وکمیت کو سمجھے بغیر یہ کہا ہے کہ کسی اسلامی ملک میں ہتھیار اٹھانا، مسلح تصادم کی فضا پیدا کرنا اور حکومتِ وقت کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا عبدالعزیز اور غازی عبدالرشید رحمہ اللہ نے جو اقدامات کئے؛ آیا وہ خروج کے ضمن میں آتے بھی ہیں یا نہیں؟ اوّل تو یہی بات تحقیق طلب ہے۔ ان کی تحریک تو بالاصل ''فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کی تحریک تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی اسلامی مملکت میں خروج کے بارے میں مذکورہ بالا نظریہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نہیں ہے، اس لیے کہ انھوں نے تو اپنے دور کی خروجی تحریکوں کا دامے درمے سخنے ساتھ دیا ہے۔ امام ابوبکر جصّاص ؒ آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وكان مذهبه مشهورًا في قتال الظلمة وأئمة الجور؛ ولذلك قال الأوزاعي: ((إحتملنا أبا حنيفة على كل شيء حتى جاء نا بالسيف، يعني قتال الظلمة، فلم نحتمله))...... وقضيته في أمر زيد بن علي مشهورة، وفي حمله المال إليه وفتياه الناس سراً في وجوب نصرته والقتال معه. وكذلك أمره مع محمد وإبراهيم ابني عبدالله بن حسن".

''ظالموں اور جابر حکمرانوں کے خلاف قتال کے معاملے میں ان کا (یعنی امام ابوحنیفہؒ کا)

مذہب مشہور تھا، اوراسی لئے امام اوزاعیؒ نے فرمایا: ''ہم نے ہر معاملے میں ابوحنیفہؒ کو برداشت کیا یہاں تک کہ وہ تلوار لے آئے (یعنی ظالم حکمرانوں کے خلاف قتال کا فتویٰ دے دیا) تو ہم برداشت نہ کر پائے''......اور زیدؒ بن علی کے خروج میں بھی ان کا مؤقف مشہور ہے؛ یہ کہ وہ خود جا کر ان کی مالی مدد کرتے اور لوگوں کو ان کی نصرت اور ان کے ہمراہ لڑنے کے وجوب کا خفیہ فتویٰ دیتے۔ اسی طرح عبداللہ بن حسن کے بیٹوں محمد (نفس زکیہؒ) اور ابراہیمؒ (کی تحریکِ خروج) کے بارے میں بھی ان کا معاملہ یہی تھا''۔

(أحكام القرآن للجصاصؒ؛ الجزء الأول)

البتہ خروج کے حوالے سے یہ نظریہ بعد کے فقہاء کا ہے۔ تاہم انھوں نے بھی خروج کے لیے جو شرائط اختیار کیں، اس وجہ سے کیں کہ ہر کوئی اُٹھ کر اور چند لوگوں کا جتھا لے کر خروج کے لیے نہ نکل کھڑا ہو، اس سے اسلامی مملکت اور خلافتِ اسلامیہ کے کمزور ہونے کا خطرہ قوی تھا۔ اب صورتحال یکسر مختلف ہے؛ مسلمانوں کے چھپن ستاون ممالک ہیں، کہیں بھی اسلامی خلافت قائم ہے نہ شریعت کی بالادستی ہے۔ پاکستان کا ریاستی ڈھانچہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام پر مبنی ہے۔ اس کا آئین ایک لبرل آئین ہے۔ اس کی تمام تر معیشت کا دارومدار سود پر ہے۔ اس لیے پاکستان کو اسلامی مملکت تصور کرنا اور اس ریاست پر وہی شرعی احکام لاگو کرنا جو خلافت وامارت پر لاگو ہوتے ہیں، کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اس وقت جو کفریہ نظمِ اقتدار چل رہا ہے، اس کا تو اوّل وآخر مقصد ہی دینی شعائر، اسلامی روایات ودینی فکر کو پامال کرنا اور اس کی جگہ کافرانہ افکار ونظریات کو مستحکم کرنا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے بعض اہلِ علم کے سامنے جب دنیوی مسائل آتے ہیں تو وہ سود جیسے اہم احکامات کو مختلف حیلوں سے جواز بخشتے ہیں اور اسلامی بینکاری کے نام پر تمام شرعی قوائد وضوابط سے صرفِ نظر کر جاتے ہیں، مگر جب معاملہ تحفظِ دین اور غلبۂ دین کا ہو، اور معاشرے میں پھیلے ہوئے بے دینی، فحاشی وعریانی اور قتل وغارت گری کے سیلاب کے سدِ باب کا ہو تو خروج کی شرائط لے کر نمودار ہوتے ہیں......؟ مقصد خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو مگر اس قسم کی غلط اور بے دلیل آراء سے ہمیشہ کافرانہ اقتدار ہی مضبوط ہوتا ہے اور مجاہدین فی سبیل اللہ اپنے ہی معاشرے میں اجنبی ہو جاتے ہیں۔

جہاد وشہادت کے لیے تیاری نہ ہونے کا بہانہ

کچھ مخالفین نے یہ نکتہ بھی اٹھایا کہ یہ سب کچھ ہونا تو چاہئے لیکن معاملہ چونکہ ریاست کے ساتھ براہِ راست ٹکر لینے کا ہے اوراس کی فی الحال تیاری نہیں کہ ریاست کے ساتھ براہِ راست ٹکر لی جائے، چنانچہ فی الحال جہاد وشہادت کے نعرے لگانا، لوگوں کو جہاد پر ابھارنا اور انہیں شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ کی طرف راغب کرنا مناسب نہیں۔ پہلے ''تیاری'' ہونی چاہئے اور عسکری طاقت حاصل کر کے جہاد کے لئے راہ ہموار کرنی چاہئے۔ بادی النظر میں یہ رائے بہت معقول محسوس ہوتی ہے مگر آپ پاکستان کی ۶۰ سالہ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے، کیا آج تک کسی تنظیم اور جماعت نے اس نہج پر تیاری کی؟ اب بھی جب کہ حکومت کی اسلام دشمنی واضح ہوچکی ہے محض نعروں، قرادادوں اور جلسوں جلوسوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ بزعمِ خود جس قوت کی ضرورت ہے اس کے حصول کے لیے نہ تو رغبت دلائی جاتی ہے، نہ ہی اس کے حصول کے اسباب مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ''تیاری'' نہ ہونے کو بطور بہانہ پیش کرنا اور عملاً تیاری کی سمت کوئی قدم نہ اٹھانا قرآن کی رو سے منافقین کا خاص شیوہ ہے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ (التوبة:۴۶)

''اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو ضرور اس کے لیے کچھ سامان تیار کرتے، لیکن اللہ نے ہی ان کا نکلنا پسند نہ کیا۔ سو انہیں روک دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ''۔

امام المفسرین طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

''فتركهم الإستعداد دليل على أرادتهم التخلف''.

''پس ان (منافقین) کا تیاری نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا ارادہ ہی دراصل یہ تھا کہ یہ جہاد کی راہ سے پیچھے رہیں''۔

تحریکِ لال مسجد نے عزیمت کی راہ اپنائی

اس پوری بحث سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ تحریکِ لال مسجد کی قیادت کا اصولی مؤقف شریعتِ اسلامیہ کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ انھوں نے اس سلسلے میں کسی قسم کی مداہنت،

رخصت، مصلحت پسندی یا گریز پائی کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے کا عملِ صالح اختیار کیا۔ وہ اسلاف کے باغی نہیں بلکہ سچے پیروکار تھے اور وہ رخصت کی بجائے عزیمت کی اس راہ پر چلے جو ہمارے اسلاف و اکابر کی پسندیدہ راہ تھی۔ تحریکِ لال مسجد کے مخالف علماء کے پاس کوئی دلیلِ شرعی نہیں تھی، بس ذرائع ابلاغ کا پروپیگنڈہ اور سرکاری افسرانِ بالا کی دھمکیاں تھیں جنھوں نے انہیں کسی درست نتیجے پر پہنچنے اور صحیح فیصلے کرنے سے محروم رکھا۔

تحریکِ لال مسجد کے مؤقف اور طریقِ کار کی تائید قرآن وسنت سے تو ہوتی ہی ہے، اس کے علاوہ ان کے درست راہ پر ہونے کی گواہی لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں معصوم طلبہ وطالبات کے پاکیزہ ومعطر لہو نے بھی دی ہے۔ علامہ غازی عبدالرشید شہید رحمہ اللہ کے لہو اور ان کی قبر سے مہکنے والی خوشبو منزل اور راہِ منزل کا پتہ دیتی ہے، اس کے علاوہ مبشراتِ منامیہ اس پر مستزاد ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے جس سے اس حسینی قافلے کو نوازا گیا ہے، جبکہ مخالفین کو سوائے مایوسی، بے سکونی، بے چینی اور ذلت ورسوائی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

یہ منظر نامہ آج ہمیں دعوت دے رہا ہے کہ ہم اپنے رویوں پر غور کریں، اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کریں، رخصت اور مصلحت پسندی کی چادریں اتار پھینکیں اور مرضِ وہن کی قید سے اپنے دلوں کو آزاد کریں۔

جہاد وشہادت کا راستہ اختیار کرنا ہوگا

ہمیں جاننا چاہئے کہ آج دنیا بھر میں جتنی بھی دینی تحریکات کفر کے ساتھ حقیقتاً برسرِ پیکار ہیں، اپنی نہاد میں جہادی تحریکات ہیں؛ جن کے پیشِ نظر فقط یہی مقصد ہے کہ وہ حاضر وموجودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں، منبعِ شر وفساد سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے محافظ جمہوری نظام کو نیست ونابود کر دیں، اس ظلم و درندگی کو جواز بخشنے والے کالے قانون کو سرے سے ڈھا دیں اور اس کی جگہ وہ نظام لے آئیں جس میں شریعتِ الٰہیہ کی بالادستی ہو، اور یوں خلافت وامارت کا شرعی نظام قائم کر دیں۔

ایسا ممکن نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام قائم رہے، جمہوری نظام برقرار رہے، پھر شریعت بھی نافذ ہو جائے۔ ایسا بھی ممکن نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ مصالحت اور مفاہمت کر کے کوئی تبدیلی لائی جاسکے، اس لئے کہ سرمایہ دارانہ نظم میں رہتے ہوئے کسی قسم کی جدوجہد بھی ہماری اجتماعیت اور دینی

شناخت کو اس نظام میں تحلیل ہونے، اور اس کا حصہ بننے سے نہیں روک سکتی۔ اگر تبدیلی مقصود ہے تو اس کیلئے جہاد و شہادت کا راستہ ہی اختیار کرنا ہوگا۔ اس صورتِ حال میں برسرِ اقتدار نظام اور مروجہ کافرانہ قوانین سے ٹکراؤ لازمی امر ہے۔ یہی راہِ حق ہے اور دنیا و آخرت کی فوز و فلاح اسی سے مشروط ہے۔

ایسی تحریکوں کو مسترد کرنے سے کفر کا نظام طاقتور رہوتا ہے

ہم علماء جب بھی ایسی کسی تحریک کو ''قانوناً''، اخلاقاً اور شرعاً رد کرتے ہیں تو اس سے لازمی طور پر غلبہ و تحفظِ دین کی تحریکیں کمزور ہوتی ہیں، اور نتیجتاً باطل کفریہ نظام مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ کئی علماء ایسے کسی بھی طریقِ کار کو اس لئے ناقابلِ عمل تصور کرتے ہیں کہ ان میں کچھ ظاہری نقصانات بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ ہماری تاریخ میں میدانِ بدر بھی ہے جہاں اہلِ ایمان اور کفار کے مابین مادّی اور عددی اعتبار سے کوئی نسبت نہ تھی...... ہماری تاریخ میں اُحد بھی ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کی خاطر اپنے دندانِ مبارک شہید کروائے تھے...... ہماری تاریخ میں حنین بھی ہے جہاں مسلمان عددی برتری کے باوجود شکست کھا گئے تھے......سیدنا حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا خروج بھی ہماری ہی تاریخ کا حصہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد شہید، شیخ احمد السنوسی، شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہم اللہ کی دینی تحریکات بھی ہمارا قابلِ فخر ماضی ہیں۔

علمائے حق کو چاہئے کہ بڑھ کر قیادت سنبھالیں

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی نظام کے لئے کوشاں تمام تحریکات اپنے مقصد و منہج کو واضح رکھیں؛ دشمن (یہود و نصاریٰ اور مشرکین و مرتدین) اور اس کے رائج کردہ سرمایہ دارانہ و جمہوری نظام کو اچھی طرح سمجھیں، اسلامی دنیا میں اس نظام کو تحفظ فراہم کرنے والوں کو خوب پہچانیں۔ پھر اس فتنے کے خاتمے کی خاطر اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سب کے سب یک جان و یک زبان ہو جائیں۔ دعوت و جہاد کے میدانوں میں اپنی تمام تر استعداد کے ساتھ اتر آئیں۔ اہلِ دعوت اہلِ جہاد کے معاون بن جائیں۔ علمائے کرام بھی ایسی تحریکات کی چند جزئیات سے اختلاف کے سبب انہیں مکمل طور پر مسترد نہ کریں بلکہ آگے بڑھ کر ان تحریکات اور اہلِ جہاد کی قیادت سنبھالیں، اور شریعت کے اصولوں کے مطابق اس قافلۂ حق کی رہنمائی فرمائیں۔

ہم کس بات کے پابند ہیں؟

ہم درست راہِ عمل اپنانے کے پابند ہیں، نتائج کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔ جہاد وشہادت کے اس راستے میں اگر ہمارا گھر بار لٹ جائے، ہماری جانیں چلی جائیں، ہمیں فاسفورس بم پھینک کر جلا دیا جائے......گیس، پانی اور بجلی بند کر کے ہمیں بھوکا پیاسا مرنے پر مجبور کر دیا جائے......ہمارے جسموں کو گولیوں سے چھلنی کر کے موت کو گلے لگانے پر مجبور کر دیا جائے......مگر حق کے ساتھ ہماری وابستگی ٹوٹنے نہ پائے، اور اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، اس کی نازل کردہ شریعت کی توقیر بڑھ جائے تو ہمارے لیے اس دنیا میں اور آخرت میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔

لیکن اگر نظامِ کفر کے ساتھ مصالحت اور مفاہمت کر کے کوئی تحریک شروع کی جائے تو دنیا وآخرت کی کسی بھی کامیابی کا تصور محال ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سنو! اسلام کی چکی گھوم رہی ہے تو جس طرف قرآن کا رخ ہو تم بھی ادھر گھوم جاؤ......

سنو! قرآن اور اقتدار عنقریب جدا ہو جائیں گے، خبردار! تم قرآن کا ساتھ نہ چھوڑنا!

آئندہ ایسے حکمران ہوں گے جو تمہارے بارے میں فیصلے کریں گے؛ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں گمراہ کر ڈالیں گے اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے'' ......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! تب ہم کیا کریں؟'' فرمایا: ''وہی کرو جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کیا؛ وہ لوگ آروں سے چیرے گئے، سولیوں پر لٹکائے گئے (لیکن حق کو نہ چھوڑا)''۔

(الطبراني)

وما توفيقي إلا بالله، وما علينا إلا البلاغ

قال أهل الثغور

قائدینِ جہاد کے اقوال

امیر المؤمنین ملا محمد عمر حفظه اللّٰه فرماتے هیں......

''یہی ہمارا راستہ ہے اور ہم ہرگز اس سے منحرف نہ ہوں گے''

''وہ لوگ جنھیں ہماری بابت شک ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں تو ان سے التماس ہے کہ وہ ہمارے یہاں تشریف لائیں اور قریب سے ہمارا اور ہماری کوششوں کا مشاہدہ کریں۔ پھر ہماری مساعی کا قرآن وسنت سے موازنہ کریں۔ پس اگر ہم قرآن وسنت کی مخالفت کر رہے ہوں تو انھیں حق حاصل ہوگا کہ وہ بھی ہماری مخالفت کریں۔ اور اگر ہم شریعتِ اسلامیہ کے مقرر کردہ سیدھے راستے پر ہوں تو (وہ جان لیں کہ) یہی ہمارا راستہ ہے اور ہم ہرگز اس سے منحرف نہ ہوں گے۔ اگر ہم نے اس راہ سے ذرا بھی انحراف کیا تو ہم حقیقی مسلمان نہ ہوں گے بلکہ فقط نام کے مسلمان رہ جائیں گے''۔

امیرِ جهاد شیخ اسامه بن محمد بن لادن حفظه اللّٰه فرماتے هیں......

اہلِ پاکستان کے لئے واحد راہِ نجات:

زرداری اور پاکستانی فوج کے خلاف جہاد

''آج اہلِ پاکستان کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مل کر زرداری اور اس کی فوج کا مقابلہ کریں، ان سے اقتدار چھینیں اور انھیں کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ بلاشبہ یہ پاکستانی فوج ہی ہے جو ان کے دین، امن، معیشت اور ملی وحدت کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ پرویز کے ہاتھ سے پاکستان کو جو عظیم نقصان پہنچا وہ اپنی جگہ، لیکن امریکی احکامات کی تعمیل میں جو کچھ زرداری کر رہا ہے وہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ زرداری اور اس کی فوج کے پھیلائے ہوئے فتنے کے سدِ باب کا صرف اور صرف ایک راستہ ہے؛ یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مبارک میں واضح طور پر فرمایا ہے:

''اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہو جائے''۔

پاکستانی فوج سے کسی خیر کی امید نہ رکھئے

''یہاں ہمیں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ جو فوج شریعت کے نفاذ کو روکنے کے لئے پوری ڈھٹائی سے میدان میں اتر آئی ہو، اس میں کسی قسم کی خیر کا پایا جانا محال ہے۔ اگر ہماری سب سے قیمتی متاع یعنی اللہ کی نازل کردہ شریعت کا ان کے سامنے کوئی مقام نہیں تو ہمارے خون، عزت، زمین اور مال جیسی چیزوں کی ان کی نگاہ میں کیا وقعت ہوگی؟ اس بدطینت فوج کا تو اب وہی شخص ساتھ دے سکتا ہے جو یا تو سرے سے جاہل ہو یا پھر پکا منافق۔ اس فوج نے کشمیر کو کیا آزاد کرانا تھا، یہ تو الٹا پاکستان ہی کو توڑنے کے درپے ہے۔ ان شاء اللہ، وقت یہ بات ثابت کرے گا کہ اہلِ پاکستان کے حقیقی محافظ اور خیر خواہ اس کے مجاہد بیٹے ہی ہیں''۔

شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ فرماتے ہیں......

یہ امت اب جاگ اٹھی ہے!

''مسٹر اوبامہ! یہ چند باتیں تمہارے لئے!

امریکہ نے اس سے پہلے بھی جنگیں لڑی ہیں اور ان میں شکست کھائی ہے، جیسے ویتنام اور کیوبا کی جنگیں۔ لیکن اس دفعہ کی شکست پہلے سے مختلف ہوگی۔ ان آٹھ سالوں میں جہاد فی سبیل اللہ جزیرۂ عرب، عراق، پاکستان، مغربِ اسلامی، یورپ اور وسطی ایشیا تک پہنچ چکا ہے۔ جان رکھو کہ اس دفعہ تمہارا مقابلہ امتِ توحید اور اس کے مجاہد بیٹوں سے ہے۔ یہ امت اب جاگ اٹھی ہے اور اس میں جہاد کی مبارک بیداری کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہ مجاہدین موت سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی تم اس فانی زندگی سے۔ اللہ کے حکم سے عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ امتِ مسلمہ اور اس کی قوت کے کیا معنی ہیں، اور توحید، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حامل امت کسے کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ، وہ دن اب دور نہیں جب اللہ تعالیٰ مجاہدین کے ہاتھوں تمہاری کمر توڑے گا اور دنیا کو تمہاری نجاست اور تمہارے جرائم سے نجات

عطا فرمائے گا''۔

امیر تنظیم القاعدہ (سرزمینِ خراسان) شیخ مصطفیٰ ابو یزید حفظہ اللّٰہ فرماتے ہیں......

نصرت، فتح اور تمکین کی بشارتیں

''صلیبی غاصبوں اور ان کے (مقامی) معاونین کی خواہش کے برعکس ہم آج نصرت، فتح اور تمکین کی بشارتیں افق پر ظاہر ہوتی دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اس کے بعد یہ امیر المؤمنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ کی حکیمانہ قیادت تلے امارتِ اسلامیہ افغانستان کے مجاہدوں کو عطا کردہ توفیقِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔

ایک واضح (شرعی) منہج پر اکٹھے ہونے اور بلند اہداف پر توجہ مرکوز رکھنے نے انھیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں تبدیل کر دیا ہے۔ انہی اہداف کی خاطر الحمدللہ آج ہم اپنا سب کچھ پیش کر رہے ہیں؛ اور بھلا اس دنیا میں ''کلمۃُ اللہ کی سربلندی'' سے بڑھ کر بھی کسی چیز کے لئے کوشش ہونی چاہیے؟''

پاکستان کی خفیہ ایجنسیاں ہی دراصل اس جنگ کا بنیادی ایندھن ہیں

''میں پاکستان میں موجود اپنے مجاہد بھائیوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ پوری توجہ سے خفیہ ایجنسیوں کے مراکز، دفاتر اور خفیہ قید خانوں کو ڈھونڈیں اور ان پر ایسی تباہی مسلط کریں کہ آئندہ اس شیطانی راہ پر چلنے والے ان کے انجام سے عبرت پکڑیں۔ ان شاء اللہ ان خفیہ اداروں کی تباہی جنگ کا پانسہ پلٹنے میں بنیادی کردار ادا کرے گی۔ یہ لوگ روایتی فوج کی طرح سامنے سے وار نہیں کرتے، مگر دراصل یہی اس جنگ کا بنیادی ایندھن ہیں''۔

امیر امارتِ اسلامیہ عراق شیخ ابو عمر بغدادی حفظہ اللّٰہ فرماتے ہیں......

صلیبی کافروں اور ان کے رافضی چیلوں سے اس زمین کو پاک کر دو

''اے اسلام کے شیرو! امارتِ اسلامیہ کے شہسوارو! ان دشمنوں پر بھوکے شیروں کی مانند

ٹوٹ پڑو۔ دیکھنا کہیں یہ زخم تمہارے حوصلے پست نہ کرنے پائیں، نہ ہی تمہارے کندھے کبھی ہتھیاروں کی زینت سے خالی نظر آئیں۔ ان خائن دشمنوں کی گردنوں کو اپنی تلواروں سے نشانہ بناؤ اور صالح اعمال اور قوتِ جہاد سے اپنی ہمتیں بلند رکھو۔ بڑھو!......اور ان صلیبی کافروں اور ان کے رافضی (شیعہ) چیلوں سے اس زمین کو پاک کر دو''۔

شیخ عطیۃ اللّٰہ حفظہ اللّٰہ فرماتے ہیں......

کفارِ مغرب کے ساتھ ہماری جنگ کی اصل وجہ

''یہ درست ہے کہ ہمیں کفارِ مغرب کی طرزِ زندگی سے بھی نفرت ہے، لیکن یہ ہمارے اور ان کے درمیان جاری اس معرکے کا اساسی سبب نہیں ہے۔ اصل وجہ تو ان کے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جرائم اور ان کی سرکشی و کفر ہے۔ پہلے یہ کئی دہائیوں تک براہِ راست قبضے کے ذریعے ہمیں مظالم کا نشانہ بناتے رہے اور اس کے بعد اپنی آلہ کار پالتو حکومتوں کے ذریعے انھوں نے ہم پر ستم توڑے۔ آج تک یہ صلیبی مغرب شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کے خواہش مند مسلمانوں کو کچلنے کے لئے ان مرتد حکومتوں کی ہر ممکن مدد کر رہا ہے۔ پھر اس سب سے بڑھ کر ہماری ان کے ساتھ دشمنی کی سب سے بڑی وجہ ان کے ہاتھوں ہمارے دین اور ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء ہے''۔

امیر تنظیم القاعدہ (مغربِ اسلامی) شیخ ابو مصعب عبدالودود حفظہ اللّٰہ فرماتے ہیں......

ہم اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ ہم ضرور فرانسیسیوں سے اپنے بہن بھائیوں کا انتقام لیں گے!

''آج مسئلہ حجاب کا ہے تو کل شاید نماز، روزے اور حج تک نوبت جا پہنچے۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ فرانسیسی سیاستدانوں کے دل میں چھپا کینہ وبغض ابھی اور بڑھے گا، اور مختلف انواع واقسام کی شکلوں میں سامنے آئے گا۔ اس لئے ہم تمام اہلِ ایمان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس

عداوت کا مقابلہ اس سے بھی زیادہ عداوت سے کریں۔فرانسیسی اگر اہلِ ایمان کو شعائرِ دین سے روکنا چاہیں تو وہ اس کے بالمقابل دینی تعلیمات سے مزید مضبوطی سے چمٹ جائیں...... چاہے وہ فرائض و واجبات ہوں یا مستحبات۔ جہاں تک ہمارا، یعنی تنظیم القاعدہ مغربِ اسلامی کا تعلق ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اس اشتعال انگیزی اور ان مظالم پر خاموش نہ بیٹھیں گے۔ جب تک فرانس اپنے جرائم سے باز نہیں آجاتا ہم ہر ممکن طریقے سے ہر ممکن مقام پر اس سے اپنے بہن بھائیوں کا انتقام لیں گے''۔

امیر حرکۃ الشباب المجاہدین (صومالیہ) شیخ ابو زبیرؒ نے فرمایا......

دینِ اسلام کی فتح کی قیمت

''دینِ اسلام کی فتح کسی معمولی قیمت پر حاصل نہیں ہوتی...... ہم اسے اپنے اور اپنے احباء کے لہو کے بدلے خریدتے ہیں۔ ذرا حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے قول کو یاد کیجیے جو انھوں نے بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصارؓ سے کہا تھا: اے اہلِ یثرب، ذرا ٹھہر جاؤ! ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (یعنی لمبا چوڑا سفر طے کر کے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔آج آپ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں؛ سارے عرب سے دشمنی، تمہارے چیدہ سرداروں کا قتل اور تلوار کی مار کا سامنا۔لہٰذا اگر یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو تو انھیں ساتھ لے چلو، اور تمہارا اجر اللہ پر ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو (بعد میں ساتھ چھوڑنے کی بجائے) انھیں ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول صورت ہوگی''۔

قائد بیت اللہ محسود شہید رحمہ اللہ نے فرمایا......

بیشک اسلام مسلمانوں کو ایک ہی امت قرار دیتا ہے اور اسلام میں کوئی ریاستی حدود نہیں!

''اگر کوئی مجھ سے پاکستان اور افغانستان کے مابین سرحدی تفریق کی بابت سوال کرے تو میں یہی کہوں گا کہ بیشک اسلام مسلمانوں کو ایک ہی امت قرار دیتا ہے اور اسلام میں کوئی ریاستی

حدود نہیں۔ ہم مسلمان ایک ہی ہاتھ کی مانند ہیں، پس ہم افغانستان میں بھی لڑتے ہیں اور پاکستان میں بھی۔ بلکہ ہم اسی طرح ان شاء اللہ فلسطین، بوسنیا اور عراق میں بھی لڑیں گے...... کیونکہ یہی ہم پر عائد فریضہ ہے۔ پس اسلام میں پاکستان اور افغانستان کی تقسیم کی کوئی حیثیت نہیں اور اسلام میں کوئی ریاستی حدود نہیں''۔

امیر تنظیم القاعدۃ (جزیرۃ العرب) شیخ ابو بصیر حفظہ اللّٰہ

فرماتے ہیں......

بڑھو اور اپنے سروں پر مسلط خائن حکمرانوں کے خلاف قتال کرو

تاکہ کل تم بیت المقدس اور غزہ کی بازیابی کے لئے پہنچ سکو

''اے امتِ مسلمہ! تم پر لازم ہے کہ اب زخم دوزی کی جانب متوجہ ہو جاؤ......اپنے دشمنوں اور ان کے آلہ کاروں کو اچھی طرح پہچانو، اور ان کے خلاف میدانِ عمل میں نکل آؤ۔ اے میری امت! اب تمہیں دیارِ اسلام پر غاصب حکمرانوں کے خلاف واضح قولی و عملی موقف اختیار کرنا ہوگا۔ پس اب یا تو تمہیں اپنی فوجوں کو غزہ و بغداد کی سمت نکالنا ہوگا، ورنہ پھر تم اپنے بیٹوں کو یہودیوں کے ہاتھوں کٹتا دیکھو اور بیٹھ کر تماشہ کرو......اگر ایسا نہ چاہو تو بڑھو اور اپنے سر پر مسلط خائن حکمرانوں کے خلاف قتال کرو تاکہ کل تم بیت المقدس اور غزہ کی بازیابی کے لئے پہنچ سکو۔

اے مسلمانو! آخر ایسی زندگی کی کیا وقعت ہے کہ تم اپنے بھائیوں اور عورتوں کو یہودیوں کے ہاتھوں میں دیکھ کر بھی خاموش بیٹھے ہو......کیا یہ روا ہے کہ تم سڑکوں پر نکل کر مظاہرے کرو اور اپنے حلق خشک کر کے گھروں کو لوٹ جاؤ، اور سمجھو کہ تم نے اپنے بچوں سے مصیبت کو ٹال دیا، غزہ کا گھیراؤ توڑ ڈالا اور اہلِ فلسطین کے قتل کا بدلہ چکا دیا۔ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ تم پر لازم ہے کہ صلیبی صہیونی حملے کی مدد و رسد کو کاٹو، اپنی سرزمینوں میں موجود ان صلیبیوں اور ان کے آلہ کاروں کے خلاف قتال کرو، اور مغربی مفادات کو بڑھ کر نشانہ بناؤ...... یہاں تک کہ امریکہ و یورپ یہود کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں اور فلسطین میں جاری قتل و غارت روک دیں''۔

مصاحبہ

شیخ ابو یحییٰ اللیبی حفظہ اللہ

کے ساتھ

ادارۂ حطین کی گفتگو

(عربی سے ترجمہ شدہ، حصہ اول)

شیخ ابو یحیٰ حفظہ اللہ جن کا نام حسن محمد ابو بکر قائد ہے، ۱۹۶۹ء میں جنوبی لیبیا میں پیدا ہوئے۔ دورِ شباب میں قدم رکھا تو روس کے خلاف جہادِ افغانستان کا آغاز پایا۔ ۱۹۹۱ء میں جہاد فی سبیل کی ادائیگی کی غرض سے افغانستان ہجرت کر آئے۔ تاہم جب سقوطِ کابل کے بعد خانہ جنگی شروع ہوئی تو آپ کنارہ کش ہو کر تحصیلِ علمِ دین کی جانب متوجہ ہو گئے۔ دو سال موریطانیا میں علماء کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ پھر علمِ دین ہی کی خاطر سوڈان اور بعد میں پاکستان کا رخ کیا۔ کراچی میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۹۹ء میں وفاق المدارس العربیۃ سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دوبارہ مجاہدین کی صفوں میں آ شامل ہوئے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد جب امارتِ اسلامیہ کا سقوط ہوا تو آپ پاکستان چلے آئے۔ ۲۰۰۳ء میں آپ کو پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے کراچی سے گرفتار کر کے امریکی فوج کے حوالے کر دیا اور آپ باگرام جیل میں قید کر دیئے گئے۔ مگر آپ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے اپنے تین ساتھیوں سمیت باگرام جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے اور دوبارہ مجاہدین سے آ ملے۔ آج کل آپ تنظیم القاعدہ کے شرعی شعبے کے ذمہ دار ہیں۔ آپ کا نام طبقۂ علماء میں کافی معروف ہے، اور آپ کی متعدد کتب آج علماء اور عامۃ المسلمین کے لئے افادۂ عام کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے علم میں برکت عطا فرمائیں اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر باقی رکھیں، آمین!

ادارۂ حطین کی اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ کفر و الحاد کے نمائندہ ذرائع ابلاغ مجاہدین کے حوالے سے جو شبہات اور غلط فہمیاں پھیلانا چاہتے ہیں، انھیں رفع کیا جائے۔ نیز قارئین پر شریعت کی روشنی میں حالات کو واضح کیا جائے اور اپنے شرعی فرائض کی ادائیگی کی جانب متوجہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشیں اور اسے ہم سب کے لئے دنیا و آخرت میں سودمند بنا دیں، آمین! طوالت کے باعث اس گفتگو کو دو حصوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

حطین: السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

شیخ ابو یحیٰ: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حطین: محترم شیخ! ابتداء میں ہم جاننا چاہیں گے کہ آپ کے جہاد کی جانب راغب ہونے کا سبب کیا بنا، اور آپ قافلۂ جہاد میں کب شامل ہوئے؟

شیخ ابو یحییٰ: **الحمد للّٰہ والصلوٰۃ والسلام علٰی رسول اللّٰہ وعلٰی آلہ وصحبہ ومن والاہ، و بعد،** پہلے میں آپ کے دوسرے سوال کا جواب دینا چاہوں گا یعنی یہ کہ میں قافلۂ جہاد میں کس وقت شامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے میں ۱۹۹۱ء میں قافلۂ جہاد کا حصہ بنا۔ یہ وہ وقت تھا جب شیخ عبداللہ عزامؒ نوجوانانِ اسلام میں جہادی روح پھونک رہے تھے۔ ان کے الفاظ مردہ دلوں میں جان ڈالتے، امت میں بیداری پیدا کرتے اور نوجوانوں کو جہاد کی طرف راغب کرتے تھے۔ ان کے قلب سے نکلے ان الفاظ نے ہمارے دلوں میں غیرت وحمیت جگائی اور افغانستان کے میدانوں سے آتی جہاد کی پکار پر لبیک کہنے کا شوق پیدا کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم افغانستان کی سرزمینِ جہاد چلے آئے؛ وہ سرزمین جس نے راہِ جہاد میں ہزاروں شہداء پیش کئے اور ہزاروں زخمیوں، بیواؤں اور یتیموں کی قربانی دی...... اور الحمدللہ اس سرزمین کے باسی آج بھی اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید لئے صبر واستقامت کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں۔

حطین: شریعت کی رو سے دورِ حاضر میں جہاد کا حکم کیا ہے؟

شیخ ابو یحییٰ: جیسا کہ ہم جانتے ہیں، جمہور علماء کے مطابق جہاد بالاصل فرضِ کفایہ ہے۔ اگرچہ بعض اسلاف کے یہاں اس سے مختلف رائے بھی پائی جاتی تھی، یعنی یہ کہ جہاد ہمیشہ فرضِ عین ہوتا ہے، جیسا کہ جلیل القدر تابعی حضرت سعیدؒ بن مسیّب کا قول ہے۔ تاہم بے شمار علمائے امت نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جہاد عام حالات میں فرضِ کفایہ ہے اور جمہور علماء اور مذاہبِ اربعہ نے بھی تکرار کے ساتھ یہی حکم بیان کیا ہے۔ لیکن یہی حکمِ اصلی بعض اوقات فرضِ کفایہ سے فرضِ عین میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ بعض مخصوص حالات میں ہر مسلمان تعین کے ساتھ فریضۂ جہاد کی ادائیگی کا مخاطب و مکلّف بن جاتا ہے۔

جہاد کے فرضِ عین ہوجانے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے کسی خطے پر حملہ آور ہوں تو وہاں کے مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔ پھر اگر وہ ان کفار کو پچھاڑ دیں تو باقی مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر

اس خطے کے مسلمان ایسا کرنے سے عاجز رہیں یا سستی کا مظاہرہ کریں تو ان سے قریب رہنے والے مسلمانوں پر بھی جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ یوں ضرورت پڑنے پر فرضیت کا یہ دائرہ پھیلتے پھیلتے پوری امت کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ امام ابو بکر جصاص حنفیؒ، امام ابن عبدالبر مالکیؒ، امام قرطبیؒ اور کئی دیگر علماء نے اس حکم پر اجماع نقل کیا ہے۔

یہ جہاد کے فرضِ عین ہونے کی پہلی صورت ہے۔ آج اگر ہم مسلم خطوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ فقہاء کی بیان کردہ یہ صورت یعنی 'مسلم خطوں پر کفار کا تسلط ہو جانا' آج مشرق و مغرب میں پھیلے تمام مسلم ممالک میں موجود ہے۔ دین کا ادنیٰ سا علم رکھنے والا مسلمان بھی یہ بات جانتا ہے کہ محض زیادہ مدت بیت جانے کے سبب اللہ تعالیٰ کے احکامات پرانے یا تبدیل نہیں ہو جاتے۔ اَندلُس میں...... جسے آج سپین کہا جاتا ہے...... کچھ صدیاں قبل تک ایک باقاعدہ اسلامی سلطنت قائم تھی۔ اس سرزمین نے ہزاروں آئمہ، علماء اور قائدینِ امت کو جنم دیا، مگر گزشتہ کئی صدیوں سے یہ خطہ کفار کے قبضے میں ہے۔ آج یہاں کفری احکامات نافذ اور نصرانی غالب ہیں۔ اس میں اور دیگر کفری ممالک میں ذرّہ برابر فرق باقی نہیں رہا! ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہاں نظر آنے والے بعض اسلامی شعائر کے کھنڈرات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ علاقہ کبھی اسلامی حاکمیت کے تحت تھا۔ آج ہم اندلس کو بھول چکے ہیں مگر اسے آزاد کرانے کا شرعی حکم اسی طرح باقی ہے۔

اسی طرح اگر آپ افغانستان، عراق، فلسطین، صومالیہ اور پاکستان وغیرہ میں جہاد کا شرعی حکم جاننا چاہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان علاقوں پر بھی کفار کا تسلط ہے، ان کی قوت و شوکت قائم ہے، مسلمانوں پر قہر توڑا جا رہا ہے اور کفر کے احکامات نافذ ہیں۔ پس کچھ شک نہیں کہ فقہاء نے جہاد کے فرضِ عین ہونے کی جو پہلی صورت ذکر کی ہے، وہ ان تمام علاقوں میں پوری طرح پائی جاتی ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اس دور میں جہاد فرضِ عین ہے اور اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ شیخ عبداللہ عزامؒ نے **''الدفاع عن أراضي المسلمين أهم فروض الأعيان''** (یعنی مسلم سرزمینوں کا دفاع، اہم ترین فرضِ عین) کے نام سے ایک کتاب تحریر کی تھی (جس میں آپ نے عصرِ حاضر میں جہاد کے فرضِ عین ہونے کا فتویٰ دیا تھا)، اور دنیا کے مختلف علاقوں کے سو سے زائد علماء نے اس حکم کی تصدیق و توثیق کی تھی۔ اسی لئے آج فرضیتِ جہاد کا یہ حکم بیان کرنے میں ہم کسی پس و پیش سے کام نہیں لیتے۔ یہ تو تھا جہاد کے فرضِ عین ہونے

کی پہلی صورت کا تذکرہ!

دوسری صورت یہ ہے کہ امام المسلمین جہاد کے لئے نفیرِ عام کا حکم دے (یعنی سب مسلمانوں سے نکلنے کا مطالبہ کرے)۔ ہم کہتے ہیں کہ آج کوئی ایک حاکم بھی ''امام المسلمین'' کہلانے کے لائق نہیں ہے، لہٰذا امام المسلمین کو مقرر کرنے کی کوشش کرنا بذاتِ خود جہاد کے مقاصد میں شامل ہے۔

نیز یہ کہ امام کے قائم مقام علماء اور قائدینِ جہاد تو مسلسل (امتِ مسلمہ سے) نفیرِ عام (کا مطالبہ) کر رہے ہیں، انھیں ترغیب دے رہے ہیں کہ وہ جہاد کے میدانوں کی جانب نکلیں اور مجاہدین کے ساتھ کھڑے ہوں، اپنی جانوں، مالوں اور دعاؤں سے ان کی امداد کریں اور ان کی مضبوطی کا باعث بنیں۔ پس یہ بھی ان صورتوں میں سے ایک ہے جب جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

''لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية وإذا استنفرتم فانفروا''.

''فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہیں، اور جب تمھیں جہاد کے لئے پکارا جائے تو نکل کھڑے ہونا''۔

(صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد والسير، باب وجوب النفير، صحيح المسلم؛ باب المبايعة بعد فتح مكة)

تیسری صورت یہ ہے کہ کفار مسلمانوں میں سے کچھ کو قیدی بنا لیں۔ ایسی صورت میں بھی جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان قیدیوں کو چھڑا لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فكّوا العاني''.

''قیدی کو چھڑاؤ''۔

(صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير)

اگر ہم گوانتانامو، ابوغریب، باگرام، شبرغان اور پاکستان کے عقوبت خانوں میں قید بھائیوں ہی کو دیکھ لیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جہاد آج فرضِ عین ہو چکا ہے۔

حطین: پوری دنیا میں پھیلے مجاہدین کا ہدف کیا ہے؟ اور وہ کس مقصد کی خاطر برسرِ جہاد ہیں؟

شیخ ابو یحییٰ: مجاہدین کے پیشِ نظر ہدف اور مقصد وہی ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان

فرمایا ہے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (سورۃ الأنفال ۳۹)

''اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کا ہو جائے''۔

جو مجاہد بھی فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لئے اسلحہ اٹھاتا ہے، اپنا گھر بار چھوڑتا ہے، اس کے پیشِ نظر یہی مقصد ہوتا ہے کہ دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے......یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکامات دنیا کے تمام دیگر ادیان، نظاموں اور قوانین پر غالب و عالی ہو جائیں۔ یہی جہاد کا مقصدِ اساسی ہے۔ ہاں! اس کے تحت متعدد ذیلی مقاصد آ جاتے ہیں۔ چنانچہ لفظِ ''فتنہ'' کی تفسیر کرتے ہوئے علماء نے دو اقوال نقل کئے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ''فتنہ باقی نہ رہے'' سے مراد ہے کہ دنیا میں شرک باقی نہ رہے۔ اب شرک کی بے شمار اقسام ہیں۔ گویا یہ آیتِ مبارکہ اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ان کفار سے قتال کیا جائے یہاں تک کہ نہ تو شجر و حجر کی عبادت باقی رہے، نہ ہی بتوں اور غیر اللہ سے فریادیں کی جائیں، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ کوئی ایسی شریعت باقی بچے جس کو آپس کے معاملات میں حکم مانا جائے، نہ ہی اسلام سے متعارض، انسانوں کے وضع کردہ نظام اور قوانین باقی رہیں۔ شرک کی یہ تمام اقسام فتنے کے ذیل میں آتی ہیں جن کا خاتمہ قتال کا مقصد ہے۔

دوسرے قول کے مطابق اس آیتِ مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ (کفار سے قتال کیا جائے) یہاں تک کہ (اللہ کے راستے سے روکنے والی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور) کسی بندۂ مومن کو دین پر چلتے ہوئے فتنوں اور مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لہٰذا جب تک دنیا میں کسی ایک مومن کو بھی دین پر چلنے کی پاداش میں فتنوں کا سامان کرنا پڑتا ہے، اس وقت تک جہاد فرض رہے گا۔

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (سورۃ الأنفال ۳۹)

''اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کا ہو جائے''۔

(اس آیت سے معلوم ہوا کہ) صرف شرک کا خاتمہ ہونے پر اکتفا نہیں کرنا، بلکہ ہم پر واجب ہے کہ جہاد جاری رکھیں یہاں تک کہ دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔ چنانچہ اگر حال یہ ہو کہ کچھ دین اللہ کے لئے ہو اور کچھ غیر اللہ کے لئے تو تب بھی جہاد فرض رہے گا۔ دین کو اللہ ہی کے لئے خالص کرنا مقاصدِ جہاد میں

سے ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ یہ مقصدِ اساسی ہے اور اس کے تحت دیگر مقاصد بھی آتے ہیں، تاہم ایک نشست میں ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں!

حطین: مجاہدین کس کے خلاف قتال کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں؟

شیخ ابو یحییٰ: مجاہدین اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق کفار کے خلاف قتال کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کفار کی بہت سی اصناف کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً......﴾ (التوبة ۳۶)

''اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو، جیسے وہ تمام تمہارے خلاف قتال کرتے ہیں''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب کے خلاف قتال کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبة ۲۹)

''جو لوگ اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت پہ یقین رکھتے ہیں، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرائی ہیں، اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینے لگیں''۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ انھیں تلوار کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا، اور انھیں مبعوث فرمایا گیا تاکہ وہ انسانوں سے قتال کریں، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بعثت بين يدي الساعة بالسيف حتٰى يعبد اللّٰه وحده لا شريك له......''

''مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جانے لگے......''

(مسند أحمد ومصنف ابن أبي شيبة وشعب الإيمان)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أمرت أن أقاتل الناس حتىٰ يقولوا لا إله إلا اللّٰه......''

''مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں......''

(صحيح البخاري؛ كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، باب الإقتداء بسنن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم)

ہم یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ آج جو جہاد ہو رہا ہے وہ 'دفاعی جہاد' ہے، نہ کہ 'اقدامی جہاد'۔ یہ آیات جن کا ہم نے تذکرہ کیا 'اقدامی جہاد' کے حوالے سے ہیں، یعنی مسلمان کفار کے ممالک میں جا کر ان پر حملہ آور ہوں۔ جبکہ آج تو مجاہدین کا قتال اپنی ہی سرزمینوں سے کفار کو پچھاڑنے اور انھیں وہاں سے نکال باہر کرنے کی غرض سے ہے۔ ان کفار میں کفارِ اصلی بھی شامل ہیں، جنھوں نے مسلم سرزمینوں پر قبضہ کر رکھا ہے؛ جیسے امریکہ اور اس کے حواری افغانستان میں، یہود فلسطین میں، نصاریٰ اندلس میں، ودیگر۔ اسی طرح ان میں وہ مرتدین بھی شامل ہیں جو مسلم سرزمینوں پر اپنی قوت اور کفارِ اصلی کی مدد سے قبضہ کئے بیٹھے ہیں؛ جیسے پاکستان اور جزیرۂ عرب میں مرتدین کا قبضہ وغیرہ۔ لہٰذا ان تمام کے خلاف قتال فرض ہے اور ان کے خلاف قتال کرنا 'دفاعی جہاد' ہے۔

حطین: آپ کی باتیں پڑھ کر بعض قارئین کے ذہنوں میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ پاکستان تو ایک اسلامی ملک ہے اور اس کا دستور بھی اسلامی ہے، پھر یہاں کے نظام کے خلاف قتال کیوں کیا جائے؟

شیخ ابو یحییٰ: دیکھئے! کسی چیز کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس چیز کی حقیقت کیا ہے؟ ممکن ہے کہ ایک انسان ظاہر میں تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہا ہو، مگر حقیقت میں وہ اسلام سے خارج ہو۔ ہوسکتا ہے کہ انسان ایمان کا دعویٰ تو کرے مگر حقائق پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو کہ وہ اپنے اس دعوے میں سچا نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ......﴾ (الحجرات:۱۴)

''بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا......''

لہٰذا کوئی گروہ، کوئی شخص یا کوئی نظام اسلام کا دعویٰ تو کرسکتا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے جانا، شرعی احکامات حقائق کی بنا پر عائد ہوتے ہیں، نہ کہ محض نام اور دعووں کی بنیاد پر۔

پس آپ جب یہ کہتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے جو ثبوت کا محتاج ہے۔ پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ کس بنا پر اسے ایک اسلامی ریاست قرار دیتے ہیں؟ اگر اس بنا پر کہ اس کے باسی مسلمان ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے، واقعی یہاں کے باسی مسلمان ہیں۔لیکن یہ تو باسیوں کا حکم ہوا، ریاست کا نہیں! اور اگر آپ اس لئے پاکستان کو اسلامی ریاست کہتے ہیں کہ یہاں احکاماتِ شریعت نافذ ہیں، حدود اللہ جاری ہیں، امن قائم ہے اور قانون سازی کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حقیقت تو اس سب کو جھٹلا رہی ہے اور امرِ واقع اس کے بالکل برخلاف ہے۔

آج پاکستان کو بنے ساٹھ سال بیت چکے ہیں اور ان ساٹھ سالوں سے یہ خطہ خالص لادینیت کے زیرِ حکومت ہے۔ یہاں ہمیشہ بے دین حکمرانوں کا قبضہ رہا ہے جن میں صرف مرد ہی شامل نہیں، بلکہ عورت بھی یہاں حاکم رہی ہے۔ان حکمرانوں میں سے کئی ایک ایسے بھی گزرے جو مذہبِ اہلِ سنت پر بھی نہ تھے۔پھر آپ کس بنیاد پر اس ریاست کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں؟

...... جب یہاں کی عدالتیں لوگوں کے معاملات کے فیصلے ان انگریزی قوانین کے مطابق کرتی ہیں جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں،

...... جب یہاں اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں یعنی حدود اللہ کو معطل کر کے دیگر سزائیں دی جاتی ہیں جن کا شریعت میں کوئی تذکرہ نہیں،

...... جب یہ ریاست اقوامِ متحدہ کا باقاعدہ حصہ ہے جس کا منشور بھی اسلام سے متصادم ہے، اور جو دنیا بھر میں کفر کے سرپرست کی حیثیت بھی رکھتی ہے،

...... جب یہ ریاست دوسری ریاستوں سے اپنے معاملات اسلامی عقیدے کی بنا پر استوار کرنے کی بجائے غیر شرعی خارجہ پالیسی کی روشنی میں استوار کرتی ہے......جس کی بنا پر کفری ممالک سے دوستی کی پینگیں بڑھائی جاتی ہیں اور مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی تک سے گریز نہیں کیا جاتا،

...... جب یہ ریاست عالمی کفری برادی کا حصہ ہے، اور تمام کفری ریاستوں کے ساتھ اتحاد، دوستی اور مسلمانوں کے خلاف معاونت کا تعلق رکھتی ہے،

تو آخر کس اعتبار سے یہ ریاست ''اسلامی'' کہلانے کی مستحق ہے؟ ہمیں جواب میں اس کا دستور دکھایا

جاتا ہے کہ حضرت! یہ دستور تو اسلامی ہے۔ چلیں اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ اس کا دستور الف سے یا تک اسلام کے عین مطابق ہے تو بھی ہمیں محض دستور سے کیا سروکار؟ ہمیں تو عملی حقائق سے غرض ہے؟ روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے حساب لینا شروع کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں حقیقی اسلامی امارت کیوں نہ قائم کی جہاں عملاً اسلام غالب و نافذ ہو......تو وہاں یہ جواب دینا کچھ کام نہ آئے گا کہ ہماری اس ریاست کا دستور اسلامی تھا۔ اللہ تعالیٰ تو آپ کے اعمال دیکھیں گے، نہ کہ فقط دعوے یا کتابوں میں لکھی عبارتیں۔ بالفرض یہ دستور اسلامی بھی ہے تو یہ آپ کے خلاف حجت بنے گا، نہ کہ آپ کے حق میں......کہ اگر دستور اسلامی تھا تو آپ نے اس کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا؟

نیز یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ خود یہ دستور جس کی تکریم کی جاتی ہے، جسے مقدس جانا جاتا ہے، دن رات جس کے گن گائے جاتے ہیں اور جسے تمام قوانین سے بالا قرار دیا جاتا ہے، حقیقت میں اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں!

اگر اس دستور میں بعض شقیں اسلامی تعلیمات سے موافق بھی ہوں تو یہ ویسے ہی ہے جیسا کہ کفار کہتے تھے (بزبانِ قرآن):

﴿هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَايَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ (الأنعام ۱۳٦)

''یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں (یعنی بتوں) کا، تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے، کیا برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں''۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول فرماتے ہیں جو خالص اللہ ہی کے لئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو مرتب شدہ اوراق کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کبھی مسجدِ حرام کو قبلہ جان کر اس کی جانب سجدے کرے اور کبھی مسجدِ اقصیٰ کی جانب، کسی سال کعبۃ اللہ حج کرنے چلا جائے اور کسی سال حج کے لئے بیت المقدس جا پہنچے، اور پھر بھی دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں۔ بھلا اس کا اسلام سے کیا تعلق؟

خدارا! حق کو پہچاننے میں غلطی نہ کھایئے۔ اگر آج آپ اسے تبدیل کرنے سے قاصر ہیں تو خود کو کسی فریب میں تو مبتلا نہ کریں۔ اس حقیقت کا واضح اعتراف کریں کہ اس ریاست کی بنیادیں اللہ کے دین کی

صریح مخالفت اور اس سے تصادم پر قائم ہیں لیکن ہم اس کے خلاف قتال کرنے اور اسے تبدیل کرنے سے عاجز ہیں؛ اور ان شاء اللہ جلد اللہ کے بیان کردہ شرعی طریقِ کار کے مطابق ایسا کرنے کی کوشش کریں گے۔

مگر یہ کیا طریقہ ہوا کہ ہماری جماعتیں اور قیادتیں قربان ہوں، ہماری نسلوں کی نسلیں کھپیں، محض اس دستور کو نافذ کرنے کی خاطر؟ کیا یہ دستور (معاذ اللہ) اللہ کی کتاب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ پس ہر عاقل شخص کو سوچ لینا چاہئے کہ وہ کل اللہ کے حضور کیا جواب دے گا؟ اللہ کے یہاں تو یہی کہہ کر سرخرو ہوا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کی خاطر کھپائی۔ یہ اس دستور کے پیچھے زندگی گنوانے سے بہت بہتر ہے جس کے بارے میں بیشتر لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس میں درج کیا ہے!

آپ صراحت کے ساتھ شریعت کی بات کیوں نہیں کرتے؟ آخر آپ کو کیا مانع ہے؟ صاف صاف کہیے کہ ہم قرآن اور سنت کی بنیاد پر امارتِ اسلامیہ قائم کرنا چاہتے ہیں، دستور کی بنیاد پر کیوں مطالبہ کرتے ہیں؟ کیا دستور قرآن وسنت سے بھی بالاتر کوئی شے ہے؟ صریحاً کہیے کہ ہمارا مقصد اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق قرآن وسنت کی بنیاد پر اسلامی امارت کا قیام ہے۔

حطین: چلیں ہم نے یہ تو دیکھ لیا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست نہیں ہے۔ اب کیا یہاں اسلحہ اٹھانا ہی بہتر ہے یا کوئی اور راستہ بھی ہے، جیسے پرامن جدوجہد کے ذریعے حکومت کو تبدیل کرنا؟ اور اگر اسلحہ اٹھانا ہی بہتر ہے تو وہ کیا مقصد ہے جس کے حصول تک یہاں اسلحہ اٹھائے رکھنا ہے؟

شیخ ابو یحییٰ: ہم یہ نہیں کہتے کہ اسلحہ اٹھانا بہتر ہے...... ہم تو کہہ رہے ہیں کہ اسلحہ اٹھانا فرض ہے۔ اس کفریہ نظام کو تبدیل کرنے اور مغربی تنویری بنیادوں کو، جو یہاں راسخ ہو چکی ہیں، ڈھانے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ یہ ہماری عقلوں کی اختراع نہیں بلکہ اس پر شریعت اور عقل دونوں کا اتفاق ہے۔ جہاں تک شریعت کے حکم کا تعلق ہے تو جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ کسی کافر کو مسلمانوں پر ولایت وحکمرانی کا حق نہیں حاصل۔ یہاں کافر سے میری مراد پاکستان کے مرتد حکمران ہیں جو یکے بعد دیگرے پاکستان پر مسلط ہو رہے ہیں، اور حال یہ ہے کہ "**كلما جاءت أمة لعنت أختها**" (جب بھی کوئی نیا گروہ آتا ہے تو وہ پچھلے پر لعنت کرتا ہے)۔ یہ لوگ دین سے پھر چکے ہیں اور اس بات پر تو علمائے

امت کا اتفاق ہے کہ کوئی مرتد مسلمانوں کا ولی اور خلیفہ نہیں ہوسکتا۔اسی لئے اگر وہ مسلمانوں پر بزور مسلط ہوجائے تو اسے ہٹانا اور اس کے خلاف خروج یعنی قتال کرنا فرض ہوجاتا ہے۔لہٰذا یہ ہمارا اختیار کردہ راستہ نہیں بلکہ شریعت کا حکم ہے۔ہاں! اگر مرتد حاکم کو قتال کے بغیر ہٹانا ممکن ہوتو پھر ایسا طریقہ ہی اختیار کیا جائے گا۔لیکن یہ بتایئے کہ کیا موجودہ حالات میں ایسا ممکن ہے یا یہ فقط اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے؟

یہاں ایک اور نکتہ واضح کرنا بھی نہایت اہم ہے۔بلاشبہ علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ جب مسلمانوں کا کوئی حاکم کافر ہوجائے تو اسے ہٹا کر ایسا حاکم لانا جو شریعت نافذ کرے، فرض ہوجاتا ہے۔لیکن آج ہمیں جس چیز سے سابقہ ہے وہ اس سے بھی سوا ہے۔آج ہم ایک حاکم کو نہیں، ایک پورے نظام کو بدلنے کی جدوجہد کررہے ہیں۔وہ کامل نظام جس کی نہ تو اساس اسلامی ہے، نہ مقصد اسلامی ہے، نہ قوانین اسلامی ہیں اور نہ ہی وہ کسی طور اسلام کے تابع ہے۔یہ نظام تو اللہ تعالیٰ سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔پس ہم آج محض زرداری یا پرویز جیسے چند افراد کی تبدیلی کے لئے کوشاں نہیں۔یہ چہرے تو پہلے بھی بدلتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ریاست وہی کفری ریاست ہے، یہاں کا نظام وہی مغربی جمہوری نظام ہے، آئی ایس آئی وہی آئی ایس آئی ہے، فوج اور پولیس اسی طرح باقی ہے، رشوت بھی چل رہی ہے، کفر بھی پھیل رہا ہے اور مسلمانوں کی تذلیل بھی جاری ہے۔ ہمارا مقصد تو اس پورے نظام کو اس کی بنیادوں اور اس کی محافظ فوج اور پولیس سمیت بدل ڈالنا ہے۔ یہ تبدیلی کسی طور بھی اس طریقے سے لانا ممکن نہیں جسے آپ ''پرامن جدوجہد'' کا نام دیتے ہیں...... کسی طور ممکن نہیں! پاکستان میں اس نظام کی جڑیں بہت گہری ہوچکی ہیں۔اب جب آپ کا مقصود ہی اسے جڑوں سے اکھاڑنا ہوتو کیا یہ محض نعروں اور کانفرنسوں، مظاہرات اور مقالات کے ذریعے ممکن ہے؟ نیز یہ تو ویسے بھی کوئی شرعی طریقے نہیں، بلکہ خالص مغربی جمہوری طریقے ہیں۔

پس جو کوئی یہ مقصد حاصل کرنے میں سنجیدہ ہوتو اس کے سامنے محض ایک ہی طریقہ ہے، یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔یہی وہ شرعی طریقہ ہے جس کا حکم ہمیں قرآن وسنت میں دیا گیا ہے۔

جہاں تک پاکستان میں اسلحہ اٹھانے کے مقصد کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ یہاں اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔اور جب ہم اعلائے کلمۃ اللہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد محض اجرائے

اذان، اقامتِ نماز اور مدارس کا موجود ہونا نہیں، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ یہاں کا پورا نظامِ مملکت اللہ کے احکامات اور اسلامی تعلیمات کے تابع ہو جائے، اور یہاں وہ نظام رائج ہو جائے جسے شریعت میں نظامِ خلافت کہا جاتا ہے۔

پس مجاہدین افغانستان میں جہاد کریں یا پاکستان میں (یا دنیا کے کسی اور خطے میں)......ان کے پیشِ نظر یہی ایک مقصد ہے کہ اس زمین پر فقط دعوے کی حد تک نہیں بلکہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے۔ یہ بالکل واضح شرعی حکم ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب جس کو اس بات میں ذرا بھی شک ہے کہ آج پاکستان میں کلمۃ اللہ سرنگوں ہے تو یا وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے یا وہ سرے سے جانتا ہی نہیں کہ اعلائے کلمۃ اللہ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

حطین: آپ ان لوگوں کے اعتراض کا کیا جواب دیں گے جو کہتے ہیں کہ پاکستان کا محاذ کھولنے سے مجاہدین کی طاقت منقسم ہو گئی ہے اور ان کی توجہ اصل اور اہم دشمن 'امریکہ' سے ہٹ گئی ہے۔

شیخ ابو یحییٰ: امریکہ خود اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ ''دہشت گردی'' کے خلاف جاری جنگ میں پاکستان کو نظر انداز کرنا کسی صورت ممکن نہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس وقت افغانستان میں امریکہ کی بقاء کا تمام تر انحصار پاکستان کے تعاون پر ہے۔ لہٰذا حالیہ جنگ میں امریکہ اور پاکستان کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا سراسر خلافِ حقیقت ہے۔ بتائیے! پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں مجاہدین کے خلاف کون لڑ رہا ہے؟ امریکی فوج تو آج تک قبائل میں نہیں گھسی، یہ تو پاکستانی فوج ہی ہے جو مجاہدین کے خلاف لڑتی ہے۔ سوات کے مسلمانوں اور وہاں شریعت کا جھنڈا بلند کرنے والے مجاہدین کے خلاف کون لڑ رہا ہے؟ امریکی فوج......؟ نہیں! وہاں بھی پاکستانی فوج لڑتی نظر آتی ہے۔ کس نے پاکستان میں سینکڑوں مومن بھائیوں کو گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کیا ہے؟ سی آئی اے نے یا پاکستان کی آئی ایس آئی اور دیگر خفیہ ایجنسیوں نے؟ کس نے پاکستان میں خفیہ عقوبت خانے کھول رکھے ہیں، جہاں مجاہدین کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے؟ یہ سب کارنامے پاکستان ہی کی پیشانی کے سیاہ داغ ہیں۔ لہٰذا پاکستان کو کسی طرح بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جاری امریکی جنگ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا! پاکستان اب امریکہ کا جزو لاینفک ہے۔ کیا وجہ ہے کہ امریکی عہدے دار اتنی کثرت سے پاکستان کے دورے کر رہے ہیں؟ اتنے دورے تو انھوں نے افغانستان کے نہیں کیے جتنے وہ پاکستان کے کرتے ہیں۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ امریکہ کے لئے افغانستان میں اپنے مقاصد کا حصول پاکستان کی شراکت کے بغیر ممکن نہیں رہا۔

اب جیسے ان کے لئے اس جنگ میں پاکستان کو اپنے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں، ہمارے لئے بھی اس جنگ میں پاکستان کو امریکہ سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ جس طرح انھوں نے پاکستان کو اہمیت دی ہے اور اسے وہ ''قابلِ قدر'' مقام دیا ہے جو اس کی ''خدمات'' کے عین متقاضی ہے؛ اسی طرح ہم بھی اسے حالیہ جنگ میں وہی اہمیت دیتے ہیں اور اسی مقام پر رکھتے ہیں جس کا یہ مستحق ہے۔ یعنی ہم اسے بھی اسی طرح ہدف بناتے ہیں جس طرح ہم امریکہ کو بناتے ہیں۔

نیز اس سے مجاہدین کی قوت میں کوئی کمی نہیں آرہی، بلکہ اس کے برعکس الحمدللہ دشمن کی شوکت کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ دوستوں سے پہلے خود دشمن نے اعتراف کیا ہے کہ پاکستان کے قبائل اور دیگر شہروں میں مجاہدین کی کارروائیوں سے اس خطے میں اس کے استحکام کو شدید دھچکہ لگا ہے۔

دیکھیئے! امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی ۷۵ فیصد امداد کوئٹہ اور درۂ خیبر سے گزر کر افغانستان جاتی ہے۔ مجاہدین نے جب پشاور میں ان کے صرف سو کنٹینرز ہی جلائے تھے تو امریکہ و نیٹو بلک اٹھے، اور فوراً اپنی رسد کے لئے دوسرے راستے تلاش کرنے لگے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں محاذ کھولنے سے مجاہدین کی قوت منقسم ہوئی ہے۔ اس سے تو مجاہدین کی قوت مزید بڑھی ہے اور خود امریکہ اس سے براہِ راست نقصان اٹھا رہا ہے۔

پس ہم پاکستان میں موجود مجاہدین کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ اس محاذ کو قطعاً نہ چھوڑیں اور نہ ہی اسے کوئی ذیلی محاذ جانیں۔ یہ تو اب ایک اساسی محاذ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ نیز افغانستان اور پاکستان کے محاذوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس تفریق کی کوئی اصل نہیں، نہ ہی اس کی کوئی شرعی دلیل ہے کہ افغانستان میں جہاد اور پاکستان میں جہاد الگ الگ ہیں۔ ہاں سیاست شرعیہ کے تحت ایسا ہوسکتا ہے، لیکن زمینی حقائق دیکھے جائیں تو خود سیاستِ شرعیہ کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں جہاد ہر صورت جاری رہے۔ چنانچہ مجاہدین کو چاہئے کہ وہ پاکستان کی حکومت، فوج اور خفیہ اداروں کے خلاف جہاد اسی طرح جاری رکھیں جس طرح وہ افغانستان میں افغان ملی فوج اور امریکہ و نیٹو کے خلاف جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حطین: اسلام نظامِ جمہوریت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے، نیز کیا جمہوریت بعض تبدیلیوں کے ساتھ 'اسلامی جمہوریت' بن سکتی ہے؟

شیخ ابو یحییٰ: اسلام کی کسوٹی پہ پرکھا جائے تو جمہوریت ایک دینِ جدید ہے، بالکل اسی طرح جیسے وہ دیگر ادیان ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ دینِ جمہوریت کی کچھ اپنی خاص بنیادیں، اپنے ارکان وستون ہیں۔ اس کی سب سے اہم اساس یہ ہے کہ نظامِ جمہوریت میں حاکمیت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

......جس طرح دینِ اسلام کہتا ہے کہ 'حکومت اللہ ہی کے لئے خاص ہے، اس سے احتساب کرنے والا کوئی نہیں'، اسی طرح دینِ جمہوریت کا کہنا ہے کہ 'حکومت عوام ہی کے لئے خاص ہے، ان سے احتساب کرنے والا کوئی نہیں'۔

......جیسے اسلام کہتا ہے کہ

﴿**اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ**﴾ (یوسف:۴۰) یعنی ''حکم صادر کرنا صرف اللہ کا حق ہے''،

اسی طرح نظامِ جمہوریت صراحتاً کہتا ہے کہ ﴿**إن الحكم إلا للشعب**﴾ یعنی ''حکم صادر کرنا صرف عوام کا حق ہے''۔

......جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

﴿**فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا**﴾ (النساء:۶۵)

''پس (اے نبی) تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے باہمی تنازعات میں حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس پر دلوں میں تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں''۔

اسی طرح دینِ جمہوریت کا فرمان ہے:

﴿**فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموا الشعب فيما شجر بينهم......**﴾

''پس تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک (جمہوریت پر) ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ عوام کو اپنے تنازعات میں حاکم نہ تسلیم کر لیں......''۔

یہی اس جمہوریت کی اصل روح ہے جس پر سب کا اتفاق ہے، یعنی ''حاکمیت صرف عوام ہی کے لئے خاص ہے''۔ اب کیسے اس دینِ جمہوریت کے حق میں اسلام سے دلیل لائی جاسکتی ہے؟ اسلام تو توحید کی دعوت دیتا ہے جبکہ یہ نظامِ جمہوریت سراسر شرک کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام تنہا اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا نام ہے جبکہ جمہوریت عوام کی اطاعت کا نام ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ہر وہ قانون سازی جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، وہ کفر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ......﴾ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا ان کے کچھ اور شریک ہیں جنھوں نے ان کے لئے ایسے احکامِ دین مقرر کر دیئے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا''۔

جبکہ جمہوریت کا کہنا ہے کہ قانون سازی کا حق 'پارلیمان میں بیٹھے عوامی نمائندوں' کو حاصل ہے۔ اسلام اور جمہوریت میں تو اتنا کھلا تصادم ہے کہ جو شخص بھی دینِ اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھ لے گا اور یہ جان جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے توحید پر کاربند رہنا مطلوب ہے تو وہ کبھی بھی اسلام اور جمہوریت کو جمع نہیں کرے گا۔

آپ کے سوال کا دوسرا جزو یہ ہے کہ کیا بعض ترمیمات کے ذریعے یہ جمہوریت 'اسلامی جمہوریت' بن سکتی ہے؟ تو اس کے جواب میں، میں آپ سے یہی کہوں گا کہ اسلامی جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اسلامی یہودیت، اسلامی عیسائیت یا اسلامی مجوسیت کی اصطلاح استعمال کرے۔ اب خود بتائیے کہ کیا یہ ممکن یا جائز ہوسکتا ہے؟ یہ دو علیحدہ علیحدہ دین ہیں......اور دین یا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہوتا ہے یا پھر انسان اسے ایجاد کرتے ہیں اور وہی اس کے لئے قواعد وعقائد بھی طے کرتے ہیں۔ اب چونکہ دینِ جمہوریت اللہ جل جلالہ نے نہیں نازل کیا، لہٰذا اسے انسانوں ہی نے گھڑا ہے (اور اللہ کے عطا کردہ دین کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ دین پر چلنا کسی مسلمان کا کام تو نہیں ہوسکتا)۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم جمہوریت سے اسی طرح براءت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی کفار سے براءت کرائی۔

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ. لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ. وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ. وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ. وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ. لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (الکافرون)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو انھیں میں نہیں پوجتا، اور جس (اللہ) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم نہیں کرتے، اور جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی پرستش کرنے والا میں نہیں ہوں، اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین''۔

پس یہ کسی طور ممکن نہیں کہ اسلام اور جمہوریت ایک ہو جائیں۔

حطین: ہمارے یہاں بعض حضرات ''مکالمہ بین الادیان'' اور ''تقاربِ ادیان'' جیسے تصورات کا پرچار کررہے ہیں۔ بتایئے اسلام ان تصورات کی بابت کیا کہتا ہے؟

شیخ ابو یحیٰ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''نہ میں دھوکہ دیتا ہوں اور نہ ہی کسی سے دھوکہ کھاتا ہوں''۔ آج کل بعض لوگ لفظوں کے ہیر پھیر کے ذریعے مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ ''تقاربِ ادیان'' کا نظریہ صریح کفر ہے۔ اس نظریے کے داعی ایسے مشترکہ نکات سامنے لانا چاہتے ہیں جن پر یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں اور دیگر تمام ادیان کے پیروکاروں کو جمع کیا جا سکے۔ ایسا تقارب تو اسی صورت میں ممکن ہے جب ہر گروہ اپنے اعتقادات پر سودے بازی کے لئے تیار ہو۔ مثلاً ایک مسلمان اسی وقت یہودیت کے قریب ہو سکے گا جب وہ اسلام کی ان باتوں سے پیچھے ہٹے جو یہودیت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح ایک یہودی اسی وقت اسلام کے قریب ہو پائے گا جب وہ ان چیزوں سے تنازل اختیار کرے جنہیں اسلام مطعون ٹھہراتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یہودیت تمام کی تمام اسلام کی نگاہ میں مطعون ٹھہرتی ہے کیونکہ یہودیت قائم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر ہے۔ یہی حال عیسائیت اور دیگر ادیان کا بھی ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ تقاربِ ادیان کا نظریہ تو ایک نئے دین کی ایجاد ہے جس میں تمام ادیان میں باہمی قربت پیدا کر کے انہیں ایک ہی جگہ جمع کیا جا رہا ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کفار سے بالشت برابر بھی تقارب اختیار کرے، الا یہ کہ وہ اللہ کے دین سے پھرنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ اسلام تو کفار سے مکمل براءت کا حکم دیتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ......﴾ (آل عمران ۲۸)

''مومنین کو چاہیئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں''۔

امام ابن جریر طبریؒ کے بقول جو شخص بھی مسلمانوں کی بجائے کفار کو دوست بنائے گا، وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ......﴾ (المائدة:51)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں''۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''أنا بريء من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين''.

''میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو''۔

جب پوچھا گیا کہ کیوں؟ تو آپؐ نے فرمایا:

''لا تراءى ناراهما''.

''(کفار سے اتنی دوری اختیار کرنا مطلوب ہے کہ) انھیں ایک دوسرے کی آگ تک نہ نظر آتی ہو''۔

(سنن أبي داود، باب النهي عن قتل من اعتصم بالسجود)

گویا مسلمانوں کو تو کفار سے حسی قربت اختیار کرنے کی اجازت بھی نہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ مسلمان ایسی جگہ نہ رہیں جہاں سے کفار کی آگ انھیں نظر آتی ہو اور کفار ان کی آگ کو دیکھتے ہوں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آگ تو بہت دور سے بھی دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا جو دین حسی قربت کے معاملے میں مسلمانوں کو اس قدر شدید حکم دیتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اعتقادات میں کفار سے قربت اختیار کرنے کی کھلی چھوٹ دے دے۔

دینِ یہود کہتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے، دینِ نصاریٰ کہتا ہے کہ 'اللہ تین میں کا ایک ہے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اب ان شرکیہ عقائد اور توحید کے پاکیزہ

عقیدے میں کیسے تقارب پیدا کیا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (المائدۃ:۷۲)

''بلا شبہ وہ لوگ کافر ہیں جنھوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ہی اللہ ہیں''۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ (المائدۃ:۷۳)

''بلا شبہ وہ لوگ کافر ہیں جن کا کہنا ہے کہ اللہ تین میں کا ایک ہے''۔

پس تقاربِ ادیان کی دعوت سراسر دینِ اسلام میں تحریف اور اس سے ارتداد ہے۔ لہٰذا جو کوئی تقاربِ ادیان کے تحت کفار سے قربت اختیار کرے گا، وہ یقیناً اسلام کا طوق گلے سے اتار پھینکے گا۔

پھر جہاں تک ''مکالمہ بین الادیان'' کا تعلق ہے کہ جس کا راگ الاپ کر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے، تو اصل بات یہ ہے کہ شریعت میں ایک اصطلاح موجود ہے اور وہ ہے ''مجادلة أهل الکتاب''۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ......﴾ (العنکبوت ۴۶)

''اور اہلِ کتاب کے ساتھ احسن طریقے سے بحث ومباحثہ کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں''۔

لیکن یہ مجادلہ (بحث ومباحثہ) ہمارے اور ان کے درمیان مشترک عقائد تلاش کرنے کی دعوت نہیں، یہ تو انھیں توحید کی طرف بلانے کا نام ہے۔ یہ تو اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے یہ بات کہنے کا نام ہے کہ تم دلیل لاؤ کہ اسلام میں کیوں نہیں داخل ہوتے اور کیوں توحید اختیار نہیں کرتے۔ اس مجادلے سے تو حق واضح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ اس دعوت کا نام نہیں کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دلائل لاؤ، ہم اپنے دلائل لاتے ہیں تا کہ ہم آپس میں مشترک عقائد پر جمع ہو جائیں، ونعوذ باللّٰہ من ذلك۔ دراصل یہ ہے وہ چیز جسے یہ لوگ ''مکالمہ بین الادیان'' کا نام دیتے ہیں۔ اس میں اور ''تقاربِ ادیان'' کی دعوت میں رائی برابر فرق نہیں ہے اور یہ بھی اسلام میں سراسر تحریف ہے۔

اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (اٰل عمران:٦٤)

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، اور نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب بنائے، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ کہہ دیجئے کہ گواہ رہو! ہم تو مسلمان ہیں''۔

پس تمام ادیان کو اسی چیز کی دعوت دی جاسکتی ہے کہ آؤ اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے علاوہ مکالمے کی ہر صورت صرف اور صرف شیطان کا وسوسہ ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ!)

هي أسرع فيهم من نضح النبل

جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

’فدائی حملہ آور‘ اس امت کا وہ سرمایۂ افتخار ہیں جن کی منت گزاری واحسان مندی کے حق سے امت شاید کبھی سبکدوش نہ ہوسکے۔ وہ جوان جنھوں نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر کفر کی بڑھتی یلغار کو روکا، حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مبارک سنت زندہ کی، ربِ رحیم اور نبی کریمؐ کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر خود بڑھ کر اجل کو گلے لگایا، فانی دنیا کی آسائشوں اور آلائشوں کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے جنت کی ابدی نعمتوں کی طرف رختِ سفر باندھا، امتِ مسلمہ کو نیا حوصلہ بخشا، کفر کے حوصلے ہر ہر محاذ پر توڑے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے کا قیمتی درس ذہنوں میں تازہ کر گئے۔ خردمندانِ جہاں نے ان کے طرزِ عمل کو کل بھی جنون و ہلاکت سے تعبیر کیا تھا اور آج بھی کر رہے ہیں...... تاہم رب تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے ان کی ارواح کو سبز قالب عطا کئے، اپنے عرش سے لٹکتی قندیلوں میں جگہ دی، قیامت سے پہلے بھی انھیں جنت کے رزق سے نوازا اور قیامت کے بعد اپنی معیت، اپنے محبوبؐ کی رفاقت اور جنت کی لازوال زندگی ان کا مقدر کر دی۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں ربِ کائنات کا وعدہ ہے، اور کون ہے جو اس سے بڑھ کر ایفائے عہد کرنے والا ہو۔ ایسے ہی ایک فدائی جوان کا واقعہ جنگِ یرموک میں پیش آیا جسے علامہ اقبالؒ نے نہایت خوبصورت انداز میں اپنے اشعار میں پرو دیا، آیئے پڑھتے ہیں۔ (مدیر)

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروسِ زمینِ شام

اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیرِ عساکر سے ہم کلام

اے بوعبیدہؓ! رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہوگیا مرے صبر و سکوں کا جام

بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

جاتا ہوں میں حضورِ رسالت پناہؐ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام

یہ ذوق و شوق دیکھ کے پرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغِ بے نیام

بولا امیرِ فوج کہ ”وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام

پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام!

پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیںؐ میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کئے تھے حضورؐ نے“

الولاء والبراء

کفر واسلام کی جنگ میں

مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا شرعی حکم

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کفر واسلام کی جنگ رحمان کے بندوں کو شیطان کے بندوں سے ممیّز کرتی ہے۔ توبہ، انفال اور احزاب جیسی قرآنی سورتیں یہ واضح پیغام دیتی ہیں کہ کفار کے حملے کی صورت میں مومنین کی نصرت سے ہاتھ کھینچنا کسی ایسے شخص کا کام نہیں ہوسکتا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ دل میں ایمان زندہ ہو تو کفار کے ہاتھوں مساجد کی ویرانی، شعائر اللہ کی بے حرمتی، حدود اللہ کی پامالی، مسلم بستیوں کی بربادی، گوشہ نشین بزرگوں اور شیر خوار بچوں کا قتل اور پاک دامن ماؤں بہنوں کی بے عزتی کے مناظر خاموشی سے برداشت کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ایسے میں تو کمزور ایمان اور ضعیف ارادوں والے بھی حمیتِ دینی کے ہاتھوں مجبور ہو کر دفاعِ دین وملت کے لئے میدان میں اتر آتے ہیں، چاہے ان کے میدان میں آنے سے مجاہدین کی تعداد میں اضافے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔

آج بھی صلیبی صہیونی لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہیں، کفر واسلام کا زبردست معرکہ بپا ہے۔ مطلوب تو یہ ہے کہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان آگے بڑھ کر اس یلغار کو روکنے میں اپنا حصہ ڈالے۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کے دفاع کے نام پہ تشکیل پانے والی افواج اور ''سیکیورٹی'' ادارے نہ صرف دین وملت کے دفاع سے ہاتھ کھینچے بیٹھے ہیں...... حالانکہ یہ ایمان کا لازمی تقاضہ تھا...... بلکہ الٹا کفار کے دست وبازو بن کر اس جنگ میں ان کے ہراول دستے کا کام دے رہے ہیں۔ آج سعودی عرب کی فوج جزیرۂ عرب میں قائم امریکی فوجی اڈوں کو مجاہدین کے حملوں سے محفوظ بنانے میں مصروف ہے۔ ترکی کی فوج ملک کے کفری آئین کے عین مطابق ریاستِ ترکی کے سیکولر تشخص کی حفاظت کا فرض نبھارہی ہے اور ہر اس تحریک کو کچلنے کی ذمہ داری بخوبی پوری کررہی ہے جو ترکی کو دوبارہ مرکزِ خلافت دیکھنے کی خواہش مند ہو۔ مصر کی فوج نہ صرف کئی دہائیوں سے اپنے ملک کی دینی تحریکات کو ظلم وجبر کے ذریعے دبائے ہوئے ہے، بلکہ اہلِ فلسطین کی بیرونی امداد کے راستے کاٹ کر اسرائیل کی بھی بھرپور معاونت کررہی ہے۔ یہ تو محض چند مثالیں ہیں، ورنہ لیبیا، الجزائر، شام، اردن، لبنان، متحدہ عرب امارات، انڈونیشیا اور دیگر مسلم خطوں کی افواج کا حال بھی کچھ مختلف نہیں۔ رہا ''وطن عزیز'' پاکستان کا معاملہ، تو اس کی بدبخت فوج تو کفر کی چاکری میں سبھی کو پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ پاکستان تو آج کے طاغوتِ اکبر کا ''صفِ اول کا اتحادی'' ہے، اور اس ''اعزاز'' پر فخر کرتا ہے! ویسے تو یہ فوج اسی 'شاہی ہندی فوج' کا تسلسل ہے جس نے خلافتِ عثمانیہ ڈھانے میں برطانیہ کی مدد کی اور برصغیر کے عوام کو کبھی انگریزی اقتدار کے آگے سر اٹھانے کا موقع نہ دیا...... آج تک اس فوج کی ''یونٹوں'' کے نام بھی وہی ہیں، تربیتی

''اکیڈمیاں'' اوران کے نصاب بھی وہی ہیں، اصطلاحات اور اشارات بھی وہی ہیں، اہداف و مقاصد اور اسلوب و طریقِ کار، سب وہی ہیں۔ لیکن مختلف وجوہات سے قیامِ پاکستان کے بعد اس فوج کے اصل چہرے پر جو پردہ پڑا تھا، گزشتہ سالوں میں وہ مکمل طور پر اٹھ گیا ہے۔ اس فوج نے صومالیہ پر حملہ آور ہونے والے امریکی فوجیوں کے دفاع اور وہاں برسرِ پیکار مجاہدین کے خاتمے کے لئے اپنے دستے بھیجے (ورفوجی مروائے)، گزشتہ آٹھ سالوں میں ہزار ہا افغانی مسلمانوں کا خون بہانے میں بالواسطہ شرکت کی، اپنے ملک کے اندر سوات، وزیرستان، باجوڑ، خیبر، مہمند اور دیگر علاقوں میں مجاہدین اور عوام المسلمین کو بے دریغ قتل کیا، مساجد شہید کیں، مدارس کو نشانہ بنایا اور قبائل سے اٹھنے والی جہادی بیداری کو کچلنے کی خاطر عام آبادیوں کو جیٹ طیاروں، ہیلی کاپٹروں، ٹینکوں اور توپوں سمیت ہر اس اسلحے کا نشانہ بنایا جو کسی منظّم ریاست کے خلاف باقاعدہ جنگ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فوج اور دیگر سیکیورٹی اداروں میں وہ اہلکار بھی ہیں جو ان سب جرائم کا ارتکاب اسلام سے بغاوت، شرعی نظام سے کراہت، دینداروں سے نفرت اور امریکہ سے تقرب کی خاطر کرتے رہے...... اور وہ بھی جو محض ''آرڈر'' کی تعمیل اور ''ڈیوٹی'' کی ادائیگی کے نام پر اس قتل و غارت کا حصہ بنے اور آج تک بن رہے ہیں۔ ذیل میں دیا گیا اقتباس یہی نکتہ واضح کرتا ہے کہ کفر واسلام کی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف لڑنا اور انہیں قتل کرنا شریعت کی رو سے کوئی معمولی جرم نہیں، بلکہ ''کفر'' ہے!! ایسا کفر جو امت سے خارج کر دیتا ہے اور جس کے کفر ہونے پر علمائے امت کا اجماع ہے۔ اب یہ قتل و قتال کفار کی مدد و اعانت کی نیت سے ہو، یا محض ''آرڈر'' کی تعمیل اور ''ڈیوٹی'' کی ادائیگی کے نام پر، شریعت کا یہ حکم نہیں بدلتا۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اس فتوے میں قتلِ مسلم کی تمام صورتوں کا احاطہ کرنے کے بعد ان کی بابت شریعت کا عائد کردہ حکم بیان کیا ہے۔ بغرضِ اختصار ہم یہاں دوسری اور تیسری صورت کا حکم نقل کرنے پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اس جرم کی ہولناکی سمجھنے، اس کے شعور کو عام کرنے، اور اس کے مرتکبین کے خلاف صف بستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (مدیر)

''قتلِ مسلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل کو حلال سمجھے اور اس پر نادم اور متاسف نہ ہو، مثلاً کوئی مسلمان فوجی ہو اور وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا ہی ہمارا کام ہے، مسلمان سامنے ہوں گے تو ان ہی سے لڑیں گے۔ یعنی مسلمانوں پر تلوار اٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ یا یوں سمجھے کہ ہمارے مالکوں کا یہی حکم ہے، ہم نے ان کا نمک کھایا ہے اس لیے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلا کر حکم دے کہ مسلمانوں کا قتل کر دو تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تو اس صورت میں تمام امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ وہ شخص قطعاً وحتماً کافر ہے۔ یعنی اس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ اس کا حکم شرعاً یہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے، دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو

مسلمان سمجھے اور اس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔

قتلِ مسلم کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھ ہو کر ان کی فتح و نصرت کے لیے مسلمانوں سے لڑے یا لڑائی میں ان کی اعانت کرے، اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو تو وہ غیر مسلموں کا ساتھ دے۔ یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہو جانے کی ایک ایسی اشد حالت ہے جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے وہ سارے گناہ، ساری معصیتیں، ساری ناپاکیاں، ہر طرح و ہر قسم کی نافرمانیاں جو ایک مسلمان اس دنیا میں کر سکتا ہے یا ان کا وقوع دھیان میں آ سکتا ہے، سب اس کے آگے ہیچ ہیں۔ جو مسلمان اس کا مرتکب ہو، وہ قطعاً کافر ہے اور بدترین قسم کا کافر ہے۔ اس کی حالت کو قتلِ مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہو گا۔ اس نے صرف قتلِ مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اسلام کے خلاف دشمنانِ حق کی اعانت و نصرت کی ہے، اور یہ بالاتفاق اور بالاجماع کفرِ صریح اور قطعی **مخرج من الملة** ہے۔ جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی تو پھر صریح **إعانت في الحرب** (جنگ میں مدد) اور **حمل السلاح على المسلم** (مسلمان پر ہتھیار اٹھانے) کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہ سکتا ہے!''

(قتلِ مسلم، ص ۵۰۱، ۵۰۲، از کتاب 'معارف مدنی' افاداتِ مولانا حسین احمد مدنیؒ، جمع و ترتیب مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی)

إن الحكم إلا لله

ووٹ وانتخاب یا ہجرت و جہاد؟

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

درج ذیل اقتباس مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''خلافت اور جمہوریت'' سے لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے تفصیل سے اسلام اور جمہوریت کے تضادات کو بیان کیا ہے اور جمہوریت کی ہر شکل کو اسلام کے آئینے میں رد کیا ہے۔ نیز اسلام کے عطا کردہ نظامِ سلطنت یعنی نظامِ خلافت کی بنیادوں کو واضح کیا ہے۔ درج ذیل مضمون میں اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ جن جملوں میں مولانا نے کتاب میں بیان کردہ دیگر موضوعات کی جانب اشارہ کیا ہے، مضمون کا تسلسل برقرار رکھنے کے لئے انھیں حذف کر دیا گیا ہے۔ (مدیر)

کیا جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ جمہوریت میں یہ لازمی امر ہے کہ مقتدرِ اعلیٰ کوئی انسان ہو یا انسانوں پر مشتمل ادارہ۔ انسان سے ماوراء کسی ہستی کو جمہوریت میں مقتدرِ اعلیٰ تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مقتدرِ اعلیٰ کوئی انسان ہو ہی نہیں سکتا ہے، بلکہ مقتدرِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق جس کی بنا پر ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ جمہوریت کے ذریعے اسلام کبھی سربلند نہیں ہوسکتا ہے۔

ترا اے دل امیدِ غمگساری ہاز افرنگ است
دلِ شاہیں نہ لرزد بہرآں مرغے کہ در چنگ است

گویا بحث یہاں پر ہی ختم ہوجانی چاہئے، تاہم چونکہ ہمارے دستور میں یہ الفاظ شامل کر دیئے گئے ہیں کہ ''مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے'' اس لئے ہم اس بات کا ذرا تفصیل سے جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ آیا ایسا ہونا ممکن ہے بھی یا نہیں؟

فرانس کے منشورِ آزادی...... جسے موجودہ جمہوریت کی روح سمجھا جاتا ہے......کو تیار کرنے والے وہ لوگ تھے جو ایک طرف تو کلیسا کے مظالم اور ٹیکسوں سے تنگ تھے، اور دوسری طرف بادشاہ کے استبداد اور اس کے ٹیکسوں سے۔ لہٰذا وہ مذہب سے بھی ایسے ہی بیزار تھے جیسے کہ بادشاہ اور اس کی استبدادی حکومت

سے۔اس منشورِ آزادی میں ان کی مذہب سے بیزاری اور بادشاہت سے دشمنی یہ دونوں باتیں واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ منشور میں جہاں مختلف قسم کی پانچ مساوات کا ذکر ہے، ان میں ''سیاسی مساوات'' اور ''جنسی مساوات'' کا جواز غالباً انجیل سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اور کتاب وسنت میں تو انھیں غلط ثابت کرنے کے لئے اتنی نصوص مل سکتی ہیں کہ ان سے ایک الگ مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں قسم کی مساوات دراصل ایک ہی اصل یعنی ''حقِ بالغ رائے دہی'' کی فروع ہیں اور یہ حق مغربی طرزِ انتخاب کی جان اور روحِ رواں ہے۔

مغربی طرزِ انتخاب کا دوسرا بنیادی اصول ''کثرتِ رائے کو معیارِ حق'' قرار دینا ہے۔ کثرتِ رائے حاصل کرنے کے لئے امیدواروں کو درخواست، تشہیر، جلسے جلوس، کنوینسنگ اور ایسے ہی دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرنا پڑتے ہیں اور کثرتِ رائے کے حصول کے لئے ہی مختلف پارٹیاں وجود میں آتی ہیں۔ جن کی ہاؤ وہو اور غل غپاڑے سے ملک انتشار کا شکار ہوتا ہے اور اس کا امن تباہ ہوتا ہے۔

گویا اصل مبحث یہی دو بنیادی اصول ہیں۔ حق بالغ رائے دہی کے حوالے سے انتخابِ خلافتِ راشدہ کی پوری تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام نہ تو ہر کس و ناکس سے رائے لینے کی ضرورت سمجھتا ہے اور نہ ہی اسے جائز سمجھتا ہے۔ پھر ہر کس و ناکس کی رائے ہم قیمت یا ہم وزن بھی نہیں ہوسکتی۔ نیز اسلام نے عورت کو ایسے امور سے مستثنٰی ہی رکھا ہے تا کہ بے حیائی اور فحاشی کو فروغ نہ ہو اور عائلی نظام پر بھرپور توجہ دی جاسکے۔

مغربی جمہوریت کی بنیادیں اور ان کا اسلام سے تضاد

مغربی جمہوریت میں پانچ ارکان ایسے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں:

۱۔ خواتین سمیت تمام بالغوں کا حق رائے دہی (بالفاظِ دیگر: سیاسی اور جنسی مساوات)

۲۔ ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت

۳۔ درخواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات

۴۔ سیاسی پارٹیوں کا وجود

۵۔ کثرتِ رائے سے فیصلہ

ان ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن بھی حذف کر دیا جائے تو جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے

نہیں چل سکتی ہے۔جبکہ اسلامی نظامِ خلافت میں ان ارکان میں سے کسی ایک کو بھی گوارانہیں کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا یہ دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔یعنی نہ تو جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جاسکتا ہےاور نہ ہی نظامِ خلافت میں جمہوریت کے مروجہ اصول شامل کر کے اس کے سادہ، فطری اور آسان طریقِ کار کو خواہ مخواہ مکدر اور مبہم بنایا جاسکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک لادینی نظام ہےاوراس کےعلمبردار مذہب سے بیزار تھے۔جبکہ خلافت کی بنیاد ہی اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کے تصور پر ہےاوراس کے اپنانے والے انتہائی متقی اور بلند اخلاق تھے۔

ہمارے خیال میں جیسے دن اور رات یا اندھیرےاورروشنی میں سمجھوتہ ناممکن ہے، بالکل ایسے ہی دین اور لادینی یا خلافت اور جمہوریت میں بھی مفاہمت کی بات ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر جمہوریت کو بہرحال اختیار کرنا ہےتو اسے توحیدورسالت سے انکار کے بعد ہی اپنایا جاسکتا ہے۔

باطل دوئی پرست ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

کیا ووٹوں کے ذریعے اسلام لایا جاسکتا ہے؟

آج کے دور میں بعض اسلامی ذہن رکھنے والے حضرات اور نیک نیتی سے اسلامی انقلاب کے داعی لیڈر جب دیکھتے ہیں کہ اقتدار پر قبضہ کیے بغیر اسلامی نظام کی ترویج ناممکن ہےتو اس کا حل انھوں نے یہ تلاش کیا ہے کہ نیک شہرت رکھنے والے امیدوار انتخاب کے لئے نامزد کیے جائیں۔اورعوام میں اسلامی تعلیمات کا پرچار کر کے ایسے نیک نمائندوں کی ہرممکن امداد پرلوگوں کو ابھارا جائے، تاآنکہ اسمبلی میں نیک لوگوں کی کثرت ہوجائے۔موجودہ جمہوری دور میں معاشرے کی اصلاح اور اسلامی نظام کی ترویج کی یہی واحد صورت ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس سلسلے میں ان کی تائیدنہیں کر سکتے۔تاریخ شاہد ہے کہ ووٹوں کے ذریعے نہ آج تک کبھی اسلام آیا ہےاور نہ آئندہ آسکتا ہے۔اگر ایسا ہوناممکن ہوتا تو انبیاء علیہم السلام اس پرامن ذریعۂ انتقالِ اقتدار کو ضروراستعمال کرتے۔

بنی نوع انسان کے لئے قرآن کریم اور حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بہتر دستور ناممکن ہے، اورقرآن کریم کی تبلیغ کے لئے جو انتھک اور جاں توڑ کوششیں حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں،

دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جاں نثار اور مخلص پیروکاروں کی ایک جماعت بھی مہیا ہوگئی جو اسلام کے عملی نفاذ کے لئے صرف تبلیغ و اشاعت اور پروپیگنڈا پر ہی انحصار نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی پوری پوری زندگیاں اسی قالب میں ڈھال چکے تھے۔ صحابہؓ کی جماعت گویا قرآنی تعلیمات کے چلتے پھرتے نمونے تھے لیکن تیرہ سال کی انتھک کوششوں کے باوجود یہ نہ ہوسکا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اسلامی ریاست قائم کر لیتے۔

جب ایک بہترین دستور بھی موجود ہو اور اس کو عملاً نافذ کرنے والی جماعت بھی مثالی کردار کی مالک ہو، وہ تو اس دستور کو کثرتِ رائے کے ذریعے نافذ کر نہ سکی تو آج کے دور میں یہ کیسے ممکن ہوگا؟

اسلامی نظام کی ترویج کے لئے اقتدار کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن رائے عامہ کو صرف تبلیغ کے ذریعے ہموار کرنا اور اس طرح اسلامی انقلاب برپا کرنا خیالِ خام ہے۔ اس کے لئے ہجرت، جہاد اور دوسرے ذریعے ہی اختیار کرنے پڑیں گے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور مجاہدینِ اسلام کا دستور رہا ہے۔

(خلافت و جمہوریت؛ ص ۲۱۶-۲۱۹)

والله أعلم بأعدائكم

چین،ایک ''دوست'' ملک؟!

قاری عبدالہادی

'تلوار' میں بھی اللہ نے عجیب برکت رکھی ہے! سالوں، بلکہ کئی کئی دہائیوں سے قائم نظریاتی وعقائدی بت محض تلوار اٹھانے کی برکت سے ٹوٹنے لگتے ہیں! سچ کہا ہے میرے رب نے: ﴿وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ ''اور ہم نے لوہا اتارا ہے جس میں بہت زور ہے اور لوگوں کے لئے بہت سے منافع بھی''۔ لوہے کے یہ منافع جہاد کے میدان میں جتنا واضح ہوتے ہیں شاید اور کہیں نہ ہوسکیں۔ انھی منافع میں سے ایک کا مشاہدہ ہم آج کھلی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ چین...... جس کا کفر و الحاد اور اسلام دشمنی اگر تحریر وتقریر سے واضح کرنے کی کوشش کی جاتی تو شاید سالوں کی کوشش وسعی کے باوجود بھی سمجھانا مشکل ہوتا...... آج چین کی سرزمین پر جہاد کی تازہ لہر اٹھے محض ایک سال ہی گزرا ہے کہ اس کے تقدس کے جھوٹے بت میں دراڑیں پڑنا شروع ہوگئی ہیں، وللہ الحمد!

چین سے ''حسنِ ظن'' کا مہلک مرض

چین کو ایک ''دوست'' اور ''برادر'' ملک کے طور پر پیش کرنے کا مرض ویسے تو پوری امت ہی میں سرایت کئے ہوئے ہے، لیکن پاکستان میں اس مرض کی شدت کہیں زیادہ ہے۔ ''پاک چین دوستی'' کو کوہِ ہمالیہ سے بھی بلند قرار دینے میں پاکستان کے لادین اور دین دار طبقات سبھی یکساں ہیں، اِلا مَن رَحِم اللّٰہ! یہ تو محض اللہ کا فضل واحسان ہے کہ چین کے اندر مجاہدین کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں اور چین کے دو پڑوسی ممالک افغانستان و پاکستان میں جہاد کے مسلسل فروغ کے پیشِ نظر چین کے لئے اپنا اصلی اسلام دشمن چہرہ مزید چھپائے رکھنا ممکن نہیں رہا۔ چنانچہ چین نے نہ صرف عالمی سطح پر نام نہاد ''دہشت گردی کے خلاف اتحاد'' میں ایک مؤثر کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا، بلکہ اپنے زیرِ تسلط رہنے والے مسلمانوں پر بھی اس قدر کھل کر مظالم شروع کر دیئے کہ عالمی ذرائع ابلاغ تک ان واقعات پر مکمل پردہ نہ ڈال پائے۔

اس مضمون میں ہم چین کے زیرِ تسلط بسنے والے مظلوم مسلمانوں کی مختصر روداد آپ کے سامنے رکھیں گے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ جس طرح کوئی دوسرا کافر قرآن کی رو سے مسلمانوں کا

دوست اور خیر خواہ نہیں ہوسکتا، اسی طرح چینی کافر بھی مسلمانوں کا دوست نہیں ہے...... نہ تو پہلے کبھی تھا، نہ ہی آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو مظالم چین نے مسلمانوں پر توڑے ہیں اور اسلام کے لئے جس نفرت وبغض کا مظاہرہ چینی قوم نے کیا ہے، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔

مشرقی ترکستان، امتِ مسلمہ کا جزوِلاینفک!

چین کا جو علاقہ پاکستان کی سرحد سے متصل ہے اس کا اصلی نام ''مشرقی ترکستان'' ہے۔ مشرقی ترکستان کو جنوب کی سمت سے ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے نے گھیر رکھا ہے، جبکہ مغرب اور شمال مغرب کی جانب اس کی سرحد افغانستان، تاجکستان، کرغزستان اور قزاقستان سے ملتی ہے۔ اس کے شمال میں منگولیا اور روس واقع ہیں۔ مشرقی ترکستان کا کل رقبہ اٹھارہ لاکھ (۱۸۰۰،۰۰۰) مربع کلومیٹر ہے، جو کہ چین کے کل رقبے کا پانچواں حصہ بنتا ہے۔ یہاں بسنے والے مسلمان ''اِیغور'' نسل سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی زبان، رہن سہن اور بود وباش ترک نسل سے قریب تر ہے۔ مشرقی ترکستان اصلاً مسلم اکثریت کی حامل ایک خالص اسلامی سرزمین ہے جو کہ ایک طویل عرصے تک اسلامی خلافت کا حصہ رہی۔ اسلام اس خطے کی سرحدوں تک حضرت عثمانؓ بن عفان کے دورِ خلافت میں پہنچ چکا تھا، لیکن یہ علاقہ باقاعدہ طور پر سن ۸۰ ہجری میں اسلامی سلطنت کا حصہ بنا جب قُتَيبَه بِن مُسلِم البَاهِلي رحمہ اللہ کی قیادت میں مسلمانوں نے مشرقی ترکستان کا دارالحکومت ''کاشغر'' فتح کیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ خطہ علم وعلماء کے مسکن کے طور پہ مشہور ہوا اور اس خطے کے اہلِ علم نے امت کے علمی ورثے میں بیش بہا اضافہ کیا۔ نیز یہ خطہ خلافتِ اسلامیہ اور چینی کافروں کے درمیان ہمیشہ ایک حفاظتی بند کے طور پہ حائل رہا اور اس کے غیرت مند باشندوں نے مشرق کی سمت سے آنے والا ہر وار اپنے سینے پر سہہ کر امت کے دفاع کا حق ادا کیا۔

مشرقی ترکستان، امت کے قدرتی وسائل کا ایک انمول ذخیرہ

مشرقی ترکستان کا شمار مسلم دنیا کے ان نہایت اہم علاقوں میں ہوتا ہے جنھیں ربِ ذوالجلال نے ہر قسم کے قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ یہ خطہ تاریخی طور پر اپنے غیر معمولی حسن کی وجہ سے مشہور رہا ہے۔ اس کے بلند وبالا پہاڑ، وسیع سرسبز چراہ گاہیں، حسین وادیاں اور بہتی ندی نہریں اسے مویشیوں کی افزائش کے لئے فطرتاً ایک بہترین علاقہ بناتی ہیں۔ اسی لئے مویشیوں اور ان سے حاصل ہونے والی مصنوعات کے

اعتبار سے یہ خطہ نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ دنیا کے بہت سے دیگر علاقوں کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ چاول، گندم، کپاس اور طرح طرح کے خشک و تر پھل اس علاقے کی اساسی زرعی پیداوار ہیں۔ آج چین اپنے غلے کی کل پیداوار کا ۳۵ فیصد حصہ مشرقی ترکستان ہی سے حاصل کرتا ہے۔

اللہ رب العزت نے اس سرزمین کے سینے میں قدرتی معدنیات کا بھی وسیع ذخیرہ رکھا ہے۔ مشرقی ترکستان دنیا بھر میں خام تیل کا دوسرا بڑا ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ذخائر ایک اندازے کے مطابق سولہ کروڑ (۱۶۰،۰۰۰،۰۰۰) ٹن تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ نوعیت کی یورینیم کا ایک عظیم خزانہ بھی اس زمین میں دفن ہے، جو کہ ۱۹۶۴ء کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۲۰ کھرب ٹن کے قریب پہنچتا تھا۔ نیز مشرقی ترکستان میں تقریباً ۵۰ سونے کی کانیں، ۴۰ لوہے کی کانیں، ۷۰ کوئلے کی کانیں اور ۶ پارے کی کانیں بھی موجود ہیں، جبکہ پہاڑی نمک کے بیش بہا ذخائر اس کے علاوہ ہیں۔

’’مشرقی ترکستان‘‘ سے ’’سنکیانگ‘‘ تک کا سفر

جوں جوں عالمِ اسلام کے قلب میں خلافت کا نظام کمزور پڑنا شروع ہوا، توں توں دور دراز کی اسلامی سرزمینوں پر مسلمانوں کی گرفت کمزور ہوتی گئی اور اسلامی سرحدات کا دفاع کرنا مشکل تر ہو گیا۔ اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چین نے ۱۷ویں صدی عیسوی میں مشرقی ترکستان پر دست درازی کا سلسلہ شروع کیا۔ کئی مرتبہ چین مشرقی ترکستان یا اس کے بعض حصوں پر قابض ہوا، لیکن ہر مرتبہ ایغوری مجاہدین نے بھرپور مزاحمت کر کے چینیوں کو واپس ہٹنے پر مجبور کیا۔ ۱۷ ویں صدی کے بعد سے یہاں مختلف اوقات میں تقریباً ۴۰ مرتبہ جہاد و مزاحمت کا جذبہ لئے عوامی تحریکیں اٹھیں اور متعدد بار نہ صرف چینی تسلط سے مکمل آزادی حاصل کی، بلکہ خود مختار اسلامی سلطنتوں کے قیام میں بھی کامیاب ہوئیں۔ مثال کے طور پر ۱۸۶۳ء میں یعقوب بیگ کی قیادت میں اٹھنے والی تحریک نے ایک آزاد اسلامی سلطنت قائم کی جس نے مشرقی ترکستان پر تقریباً ۱۶ سال حکومت کی۔ اسی طرح ۱۹۳۵ء اور ۱۹۴۴ء میں بھی مشرقی ترکستان کے مسلمان خود مختار اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بالآخر ۱۹۴۹ء میں ماؤ زے تنگ کی زیرِ قیادت آنے والے کمیونسٹ انقلاب کے دوران چین کو مشرقی ترکستان پر مکمل اور مستحکم قبضہ حاصل ہوا، اور چین کی اسلام دشمن حکومت نے مشرقی ترکستان کا نام تبدیل کر کے ’’سنکیانگ‘‘ رکھ دیا، جس کا مطلب ہے: ’’نئی سرزمین‘‘۔

مقبوضہ مشرقی ترکستان میں مسلمانوں کی حالتِ زار

مشرقی ترکستان کا سنکیانگ میں بدل جانا محض نام کی تبدیلی نہ تھا، بلکہ ایک باقاعدہ منشور اور منظّم منصوبے کا اعلان تھا، جس کے تحت اس سرزمین اور اس کے باشندوں سے ان کی ''اسلامی'' شناخت چھین کر اس علاقے کو ایک یکسر ''نئی سرزمین'' میں تبدیل کیا جانا تھا۔ چنانچہ یہ اسی منظّم منصوبے کا نتیجہ ہے کہ وہی مشرقی ترکستان جس کی ۹۰ فیصد آبادی ۱۹۴۹ء میں خالصتاً سنی مسلمانوں پر مشتمل تھی اور ان کی تعداد تقریباً ڈھائی کروڑ کے قریب بنتی تھی، آج اسی خطے میں مسلمانوں کی کل تعداد محض ۸۰ لاکھ رہ گئی ہے جو کہ مقبوضہ مشرقی ترکستان کی کل آبادی کا محض ۴۰ فیصد بنتا ہے۔ مسلم آبادی میں اس غیر معمولی کمی کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سب سے نمایاں سبب شاید یہ ہے کہ مسلمانوں کو، بالخصوص مسلم خواتین کو، نوکریوں کے بہانے جبراً مشرقی ترکستان سے چین کے دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ چینی نسل کے باشندوں کو بہت سی مراعات دے کر مشرقی ترکستان منتقل ہونے پر ابھارا جاتا ہے۔ یوں چند دہائیوں کے اندر اندر اس خطے کی آبادی کا فطری تناسب تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پھر چین کے علاقوں میں لے جائے جانے والی مسلم خواتین سے مختلف فیکٹریوں میں جبری مشقت لی جاتی ہے اور ان کی عزت و عصمت بھی چینی کافروں کے ہاتھوں مستقل خطرے میں رہتی ہے۔ نتیجتاً ایغور نسل کے مسلمانوں کے لئے اپنا تشخص برقرار رکھنا، اپنے نسب کی حفاظت کرنا اور اپنے وجود کو چینی نسل میں گم ہونے سے روکنا دن بدن مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ ایغوری مسلمانوں کا تشخص مٹانے کے لئے چینی حکومت نے سنکیانگ کے تعلیمی اداروں میں ایغوری زبان پر پابندی عائد کر کے تمام مضامین چینی زبان میں پڑھانے کے احکامات بھی جاری کر دیئے ہیں۔

اس خطے میں مسلم آبادی میں کمی آنے کا ایک اور اہم سبب والدین کے لئے ایک سے زائد بچوں کی پیدائش پر قانونی پابندی ہے، جسے چینی حکومت جبراً نافذ کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو قتل کرنے اور ایغوری نسل کے وجود کو غیر محسوس انداز میں مٹانے کے لئے چینی حکومت طویل المیعاد منصوبوں پر بھی عمل کر رہی ہے۔ مشرقی ترکستان کی سرزمین کو چین ہر قسم کے ایٹمی، حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کی تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرتا ہے جس کے نتیجے میں سالانہ بہت سے بچے ناقابلِ فہم امراض سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سن ۱۹۶۴ء سے لے کر آج تک چین اس علاقے میں ۳۵ سے زائد ایٹمی تجربات کر چکا

ہے، جس کے منفی اثرات اس خطے کے باشندے اور اس کی زرعی پیداوار دونوں ہی بھگت رہے ہیں۔ پھر وہ مسلم نوجوان جو دعوتی یا جہادی سرگرمیوں کے ’’الزام‘‘ میں گرفتار کر کے قتل کئے جاتے ہیں، ان کے صحیح اعداد و شمار سے تو شاید ہی کوئی واقف ہو۔

چینی حکومت کی اسلام دشمنی

یہ تو اس خطے کے مسلمانوں پر ٹوٹنے والے مظالم کا مختصر تذکرہ تھا۔ رہے وہ مظالم جن کا ہدف بذاتِ خود اسلام ہے، تو ان کی فہرست بھی کچھ کم طویل نہیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں چین نے اسلامی شعائر، مساجد و مدارس وغیرہ کو براہِ راست ہدف بنانا شروع کیا۔ بہت سے مدارس پر پابندیاں عائد ہوئیں، کئی مساجد مسمار کی گئیں، کتب خانے جلائے گئے، اور ہر قسم کی دینی و دعوتی سرگرمیوں کو بند یا محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ ماضی قریب میں ایک مرتبہ پھر چین کی اسلام دشمنی نے انگڑائی لی اور سن ۲۰۰۸ء میں داڑھی اور پردے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ یوں اسلام کے اساسی شعائر میں سے کم ہی امور ایسے بچے ہیں جنھیں بجالانا چین میں قانوناً جائز ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ چینی حکومت نے آہستہ آہستہ ہر وہ دروازہ بند کیا جس کے ذریعے کسی ایغوری مسلمان کے لئے چین سے باہر نکلنا اور کسی ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کرنا ممکن ہو سکے جہاں اسلام پر عمل کرنے کی آزادی ہو۔ آج کسی ایغوری مسلمان کے لئے چین سے باہر سفر کا ویزہ حاصل کرنا، بالخصوص حج و عمرے کی ادائیگی یا پاکستان اور سعودیہ جیسے ممالک کے سفر کی غرض سے ویزہ لینا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ اور یہ سب کیا کم تھا کہ ماضی قریب میں ایک طرف تو چین کے نشریاتی ادارے ’’سی سی ٹی وی‘‘ نے گستاخیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی ایک فلم نشر کی، جبکہ دوسری جانب چینی حکومت نے ترکستان کے صدر مقام کاشغر میں بتیس ہزار تین سو بیس (۳۲,۳۲۰) دینی کتب نذرِ آتش کروائیں جن میں قرآنِ کریم کے کئی نسخے بھی شامل تھے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ!

مشرقی ترکستان میں جہاد کا احیاء

کفر کے اس جابرانہ غلبے کو توڑنے، مظلوم ایغوری مسلمانوں کو نجات دلانے اور مشرقی ترکستان کو چینی تسلط سے آزاد کروا کر یہاں ایک خالص شرعی نظام قائم کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے اپنے چند مخلص بندوں کو جہاد کا شرعی راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخشی۔ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دور میں مشرقی ترکستان سے تعلق رکھنے والے کچھ اہلِ علم اور صالح نوجوان ہجرت کر کے افغانستان پہنچے۔ ان میں

سرِ فہرست شیخ حسن مخدوم رحمہ اللہ تھے، جو آگے چل کر مجاہدین کی صفوں میں ابو محمد ترکستانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اللہ رب العزت نے آپ کے ہاتھوں ''حزبِ اسلامی ترکستان'' کی بنیاد ڈلوائی اور آپ ہی اس جہادی جماعت کے پہلے امیر چنے گئے۔ آپ کی زیرِ قیادت ترکستانی مجاہدین منظّم ہوئے اور افغانستان نے ان مجاہدین کی بنیادی تربیت گاہ کا کام دیا۔ سن ۲۰۰۳ء میں پاکستان کی مرتد افواج نے جنوبی وزیرستان کے سرحدی علاقے میں زمینی کارروائی کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ اللہ آپ کی شہادت قبول فرمائے، آمین!

حزبِ اسلامی ترکستان کے حالیہ امیر شیخ عبدالحق نامی مجاہد عالمِ دین ہیں۔ آپ کی قیادت میں مجاہدین نے ایک طویل عرصے کا سکوت توڑتے ہوئے، اللہ کی توفیق سے، چین کے اندر عسکری کارروائیوں کا آغاز کیا۔ کارروائیوں کی ابتداء کے لئے چین میں منعقد ہونے والے ۲۰۰۸ء کے عالمی اولمپک کھیلوں کا موقع چنا گیا، جبکہ چین نے ''دہشت گردی'' کی ہر ممکنہ کارروائی سے بچنے کے لئے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ کھیلوں کا آغاز ۸ اگست کو ہونا تھا۔ اللہ کی توفیق سے ۴ اگست سے ۱۲ اگست کے دوران مجاہدین نے کاشغر، یکّن، اِیلی اور کوجا کے علاقوں میں پانچ مختلف کارروائیوں کے دوران چینی سرحدی حفاظتی دستوں اور چینی پولیس کے سپاہیوں سمیت متعدد حکومتی اداروں کی عمارتوں کو نشانہ بنایا۔ ان کارروائیوں میں ایک فدائی گاڑی، متعدد کلاشنکوف بندوقیں، دستی بم اور دیگر ہلکے ہتھیار استعمال ہوئے اور مجموعی طور پر ۵۰ کے قریب چینی سیکیورٹی اہلکار اور حکومتی کارندے موت کے گھاٹ اتارے گئے؛ اور بلاشبہ تمام تعریف کی مستحق تنہا اللہ رب العزت کی ذات ہے! یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مقبوضہ مشرقی ترکستان میں چین کے ۵ لاکھ سے زائد فوجی تعینات ہیں، جبکہ نیم فوجی دستوں اور پولیس اہلکاروں کی تعداد بھی لاکھوں میں پہنچتی ہے۔

ترکستانی مسلمانوں پر مظالم کی تازہ لہر

چند ماہ قبل مشرقی ترکستان کی مسلم آبادی کے خلاف مظالم کی ایک تازہ لہر اٹھی ہے اور ظلم و سربریت کا یہ بہیمانہ سلسلہ تا دمِ تحریر تھمنے نہیں پایا۔ ۲۶ جون ۲۰۰۹ء کو چین کے علاقے ''جواندونگ'' میں مسلمانوں کا سفاکانہ قتلِ عام کیا گیا۔ جواندونگ میں واقع کھلونے بنانے والی ایک فیکٹری میں مزدوری کے لئے جبراً بھرتی کئے جانے والے مسلمانوں اور فیکٹری میں کام کرنے والے بعض چینی مزدوروں کے درمیان کچھ تلخی

ہوگئی، جس کے بعد کسی روایتی قانونی انداز سے مسئلہ حل کرنے کی بجائے فیکٹری میں کام کرنے والے چھ ہزار (۶۰۰۰) چینی ملازمین اکھٹے ہو گئے۔ نیز پولیس اہلکار اور فیکٹری کے اردگرد بسنے والے بہت سے چینی باشندے بھی ان کا ساتھ دینے میدان میں اتر آئے اور ہزاروں کا یہ مجمع فیکٹری کے چھ سو (۶۰۰) مسلمان ملازمین پر ٹوٹ پڑا۔ نتیجتاً دوسو (۲۰۰) مسلمان شہید ہوئے اور چار سو (۴۰۰) کے قریب زخمی ہوئے۔ یاد رہے کہ جواندونگ کا علاقہ مقبوضہ مشرقی ترکستان کا نہیں، بلکہ چین کا حصہ ہے۔

اس قتلِ عام کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مشرقی ترکستان کے مسلمانوں نے چینی حکومت سے ان مجرموں کے خلاف مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا، لیکن کوئی شنوائی نہ ہونے پر عام مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور خود چینیوں سے انتقام لینے کی ٹھانی۔ پس چینی کافروں اور ایغوری مسلمانوں کے درمیان شدید جھڑپیں شروع ہوئیں، لیکن پولیس اور انتظامیہ چینیوں کے ساتھ ہوگئی اور ان کی معاونت سے مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر شہید کیا۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہزار (۱۰۰۰) سے زائد مسلمان شہید ہوگئے اور دو ہزار (۲۰۰۰) سے زائد زخمی، جبکہ گرفتار کئے جانے والوں کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مشرقی ترکستان اور ہماری ذمہ داریاں

گزشتہ سطور سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ مشرقی ترکستان کے مسلمانوں کو چینی ملحدوں کے ہاتھوں جن مظالم کا سامنا ہے وہ کسی طور بھی ان مظالم سے کم نہیں جن کا سامنا مغربی ترکستان (یعنی وسطی ایشیائی ریاستوں) کے مسلمانوں کو کمیونسٹوں کے ہاتھوں کرنا پڑا۔ ایسے میں امتِ مسلمہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے ترکستانی بھائیوں کی نصرت کے لئے آگے بڑھے اور اس مشکل مرحلے میں انہیں تنہا نہ چھوڑے۔ مشرقی ترکستان کی نصرت کے لئے درج ذیل اقدامات اٹھانا آج لازم ہے:

۱۔ ہر مسلمان چین کے حوالے سے اپنے تصورات کی تصحیح کرے، اس اسلام دشمن قوم کا مکروہ چہرہ پہچانے اور جب تک یہ اپنے کفر پہ قائم ہیں ان سے بغض رکھے۔

۲۔ تمام مسلمان ترکستانی بھائیوں کو اپنی دعاؤں میں جگہ دیں، بالخصوص آئمہء مساجد اجتماعی دعا کے مواقع پر ان مظلوم بھائیوں کا نام لینا نہ بھولیں۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے، اسے حقیر نہ جانئے!

۳۔ علمائے کرام، دینی تنظیموں کے قائدین، داعیانِ دین ہر سطح پر چین کے بھیانک چہرے کو بے نقاب کریں اور تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مشرقی ترکستان کے مسلمانوں کی حالتِ زار کھول

کھول کر بیان کریں۔

۴۔ترکستانی مجاہدین ''**ترکستان الإسلامیة**'' کے نام سے عربی زبان میں ایک سہ ماہی رسالہ نکالتے ہیں، نیز ان کی قیادت کے بیانات اور دیگر دستاویزی حقائق پر مشتمل فلمیں بھی (ایغوری، عربی، انگریزی اور اردو زبان میں) جاری ہوتی ہیں۔ یہ تمام دعوتی مواد انٹرنیٹ پر بآسانی دستیاب ہے۔ اس مواد کا حصول اور اس کی نشر و اشاعت میں حصہ ڈالنا ترکستانی بھائیوں کی نصرت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اسی حوالے سے مزید تفاصیل کے لئے درج ذیل ویب سائٹ پر تشریف لے جائیے:

www.tipawazionline.com

۵۔جن اصحابِ خیر کے لئے کسی بھی ممکنہ ذریعے سے ترکستانی مجاہدین کی مالی نصرت کرنا ممکن ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ و صدقات میں ان مجاہد بھائیوں کا حق یاد رکھیں۔

۶۔مشرقی ترکستان کو چینی تسلط سے آزاد کرانا امتِ مسلمہ پر فرضِ عین ہے اور فرضیت کا یہ بوجھ ان علاقوں کے مسلمانوں پر کہیں زیادہ ہے جو ترکستان کے پڑوس میں واقع ہیں، جن میں سے ایک پاکستان بھی ہے۔ لہٰذا اپنے فرض کو پہچاننا، اس کی ادائیگی کے لئے ابھی سے ذہنی، فکری، دعوتی، تربیتی اور عسکری محاذوں پر حسبِ استطاعت تیاری کرنا اور ممکن ہو تو عملاً بھی اس محاذ پر قتال میں شرکت کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنے ترکستانی بھائیوں کے حقوق پہچاننے اور انہیں کما حقہ ادا کرنے کی توفیق دے، آمین یارب العالمین!

وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد وعلیٰ آله وصحبه وسلم.

واإسلاماه

نجانے کب مری بستی کے لوگ جاگیں گے؟

محمد مثنّٰی حسّان

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مرتبہ ایک مسلمان خاتون رضی اللہ عنہا اپنا کچھ سامان لے کر یہودی قبیلے بنی قینقاع کے بازار میں گئیں اور سامان بیچ کر کسی ضرورت سے ایک سنار کی دوکان میں جا بیٹھیں۔ یہودیوں کو شرارت سوجھی اور انہوں نے آپ کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ایک خبیث النفس یہودی نے چپکے سے آپ کے کپڑے کا نچلا کنارہ پچھلی طرف باندھ دیا۔ آپ کو اس کی اس حرکت کا علم نہ ہوسکا، لہٰذا جیسے ہی آپ اٹھیں تو آپ کا پردہ کھل گیا۔ اس پر یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ یہ دیکھتے ہی وہاں موجود ایک مسلمان نے حمیت وغیرت میں بڑھ کر اس یہودی پر حملہ کر کے اس کا قلع قمع کر دیا۔ اس پر دیگر یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر ڈالا۔

جب یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا تو آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قینقاع کے خلاف لشکر کشی کا حکم دیا۔ وہ ہستی جسے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ...... یہود کی اس ناپاک جسارت نے اس شفیق ہستی کو بھی غضب ناک کر دیا۔

چنانچہ مدینہ کی ذمہ داری حضرت ابولبابہؓ کو سونپی گئی جبکہ لشکرِ اسلام کا پھریرا شیر خدا، سید الشہداء حضرت حمزہؓ کو تھمایا گیا اور مسلمانوں کا لشکر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں بنی قینقاع کی جانب بڑھ چلا۔ بنی قینقاع کے یہود یہ دیکھ کر قلعہ بند ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا اور پندرہ روز تک ان کا شدید محاصرہ کئے رکھا۔ یوں یہ محاصرہ شوال ۲ھ سے شروع ہوا یہاں تک کہ ذیقعدہ کا چاند نظر آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنتِ عالیہ کے مطابق یہود کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انھوں نے شکست تسلیم کرتے ہوئے اپنی گردنوں، عورتوں، بچوں اور اموال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے ان سب کو باندھ دیا۔

یہ دیکھتے ہی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کھڑا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پڑ گیا۔ وہ

بھانپ گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مردوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ چنانچہ کہنے لگا: ''اے محمدؐ! میرے معاہدین کے معاملے میں احسان کیجیے!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات پر توجہ نہ دی۔ اس منافق نے اپنی بات دوبارہ دہرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے سے منہ پھیر لیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب ناک ہوکر اس سے کہا کہ ''مجھے چھوڑ دے''؛ اور آپؐ ایسے غضب ناک ہوئے کہ لوگوں نے غصے کی پرچھائیاں آپؐ کے چہرۂ مبارک پر دیکھیں۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا: ''تیری بربادی ہو، مجھے چھوڑ دے''۔ لیکن وہ منافق باز نہ آیا اور مسلسل اصرار کرتا رہا۔ کہنے لگا: ''نہیں، اللہ کی قسم! میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ میرے معاہدین کے معاملے میں احسان فرمادیں۔ چار سو غیر مسلح جوان اور تین سو مسلح افراد جنھوں نے مجھے سرخ وسیاہ سے بچایا تھا...... آپ انھیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے؟ واللہ! مجھے زمانے کے الٹ پھیر کا خطرہ محسوس ہورہا ہے''۔

اس منافق کی وجہ سے بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کے ساتھ نرمی کی اور ان کے اموال قبضے میں لے کر انھیں مدینہ بدر کردیا۔

(سیرۃ ابن ھشام)

اے مسلمانانِ امت! ذرا سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعے پر غور کیجیے۔ گو یہودِ بنی قینقاع نے دیگر بھی بہت سے جرائم کا ارتکاب کیا تھا جس کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق تھے مگر ان کا ایک جرم، یعنی ایک مسلمان عورت کی عزت وناموس سے کھیلنا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے برداشت نہ ہوا اور آپؐ نے انھیں کیفرِ کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ میرے ماں باپ فداء ہوں اپنے آقا پر! آپؐ کو اپنے ایک امتی کی عزت کس قدر عزیز تھی کہ اس کی خاطر آپ نے ایک دو مسلمانوں کو نہیں بلکہ پورے لشکر کو باقاعدہ جنگ کے لئے نکالا...... اس کی خاطر چند متعین افراد نہیں بلکہ پورے قبیلۂ بنی قینقاع کے خلاف لشکر کشی کی...... اس کی خاطر خود بڑھ کر جنگ کے لئے لشکر کی قیادت کی اور میدان میں اترے...... اور ایک امتی کی ناموس کے لئے سات سو مردوں کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہا۔

ہزاروں درود وسلام ہوں آپؐ پر اور آپ کی امت پر!

اب ذرا آیئے تاریخ کا ایک اور واقعہ بھی پڑھتے چلیں۔ یہ شہرِ 'عموریہ' میں رومیوں کے ہاتھوں قید

ایک مسلمان بہن کا واقعہ ہے جسے سن ۲۲۳ھ کی ایک شام کو ایک رومی نے تنگ کیا اور اس کی بے عزتی کی۔ اس کیفیتِ مظلومیت اور حالتِ تنہائی میں اس بہن نے خلیفۂ وقت معتصم کو صدا دی: ''**وا معتصماه!**''۔ یہ سننا تھا کہ بغداد میں اپنے تخت پہ بیٹھا معتصم اسی وقت کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ''**لبيك لبيك!**'' ''اے میری بہن! میں حاضر ہوں''۔ اپنے محل میں نفیر کا اعلان کیا اور لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ خلیفہ معتصم نے عموریہ پر چڑھائی کے لئے اسلحہ و تعداد کے اعتبار سے ایک ایسا عظیم الشان لشکر ترتیب دیا جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ وہ شہرِ عموریہ...... جو اس وقت نصرانیوں کی آنکھ کی حیثیت رکھتا تھا اور ان کے لئے قسطنطنیہ سے بھی بڑھ کر قابلِ شرف تھا...... اور بعثتِ اسلام سے لے کر اس وقت تک کسی مسلمان خلیفہ نے اس کی طرف رخ نہ کیا تھا۔ خلیفہ معتصم نے ایک مسلمان بہن کی عزت و ناموس کی خاطر اسی عموریہ پر چڑھائی کی اور کچھ ہی عرصے میں رومیوں کو شکست دے کر عموریہ کو فتح کر ڈالا، اور وہاں موجود مسلمانوں کی ناموس کی حفاظت کا سامان کیا۔

(الكامل في التاريخ لابن أثير)

اے ابنائے امت! تاریخِ اسلام کے اس سنہرے واقعے پر بھی غور کیجئے۔ ایک مسلمان بہن کی عزت پر حرف آیا تو ہزاروں میل کے فاصلے پر بیٹھا خلیفہ اس کی خاطر اٹھا، مسلمانوں کا لشکرِ جرار لے کر رومیوں پر چڑھ دوڑا اور پورے شہرِ عموریہ کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ دیکھئے کہ ایک مسلمان بہن کی عزت و ناموس کی قدر و قیمت کیا ہے؟

اب ذرا آج کی دنیا پر نگاہ ڈالئے اور اسوۂ نبیؐ و سیرتِ اسلاف کی روشنی میں امت کے حالات اور پھر اپنے کردار کا جائزہ لیجئے۔ اگر دل کی آنکھوں سے دیکھیں تو شاید اپنے لئے معافی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی...... اس معاملے میں کوتاہیوں اور لغزشوں کے سوا نامۂ اعمال میں کچھ نہیں...... اگر ضمیر فروشی سے محفوظ رہ کر ضمیر کی آواز سنیں تو رنج و ملامت ہی اپنا مقدر...... خدا فریبی و خود فریبی کے بھینٹ نہ چڑھیں تو غم و اندوہ میں ڈوبے دل کی ندامت اور اس کے عکاس پلکوں سے چھلکتے آنسو ہی آنسو!

آج امت کی کتنی ہی بیٹیوں کی عزت و ناموس کفار کے ہاتھوں لٹ رہی ہے...... امت کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہماری آنکھوں کے سامنے امریکہ کے حوالے کر دی گئی اور آج چھ سال گزر گئے، ہم نے کچھ نہ کیا...... بہن مروۃ الشربینی جسے جرمنی میں بھری عدالت میں شہید کر دیا گیا اور ان کے شوہر کو زخمی کر دیا گیا،

ہم نے سب دیکھا مگر کچھ نہ کیا۔ یہ تو وہ واقعات ہیں جن کی خبر ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہر مسلمان تک پہنچی...... جبکہ بہت سی صدائیں وہ بھی ہیں جو کال کوٹھریوں میں ہی دم توڑ چکیں اور مسلمانوں کے حاشیۂ خیال تک میں نہ آئیں!...... اور کوئی وقت کا معتصم اور ابن قاسم نہ اٹھا...... کیا کروں کہ قلم میں بھی اب مزید کچھ لکھنے کی تاب نہیں!

نہیں ہے تاب زباں میں، نہ ہے قلم میں کوئی

کہ خونِ دل مرا شاید بنے یہ حرفِ بیاں

ہاں! اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ 'ندامت' رب تعالیٰ کے دربار میں کچھ وقعت نہیں رکھتی جس کا حاصل 'عمل' نہ ہو! جب مسلمان اپنی بہنوں بیٹیوں کی ناموس کی، مالکِ دوجہاں کی تعلیمات اور رحمتِ دوجہاں ؐ کے اسوے کے مطابق...... جہاد وقتال کے ذریعے...... حفاظت کرتے تھے تو تبھی جا کر کفار اپنے تمام تر حسد وحقد اور کینہ وبدباطنی کے باوجود امت کی بیٹیوں کی ناموس پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ کر پاتے تھے۔

آج بہت ہو چکا! تمام بے فائدہ راستوں کو چھوڑ کر اب ہمیں وہی کرنا ہوگا جو ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تا کہ کفار کے ہاتھ توڑ دیئے جائیں اور ان کی جرات ختم کر دی جائے...... وگرنہ رب تعالیٰ کے دربار میں، روزِ قیامت، برسرِ محشر ربِ قہار کے آگے جرات کرنے کو تیار رہو...... والعیاذ باللہ!

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين!

فسینفقونہا ثم تکون علیہم حسرۃ

امریکی ڈالر کی شیطنت

آصف صلاح الدین

(انگریزی سے ترجمہ: محمد ریحان)

سود پر قائم ’عالمی سرمایہ دارانہ نظام‘ الحمدللہ آج اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ عالمی معیشت آج جس بحران سے دوچار ہے اس کا بنیادی سبب خود یہ معاشی نظام ہی ہے (بمعہ اپنی تمام تر جزئیات کے)۔ اور کیوں نہ ہو کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف انسانی عقلوں کی اختراع ہوتی ہے، دنیا میں فساد اور شر ہی کا موجب بنتی ہے۔ یہ تو بنیادی بات ہوئی، ہاں! یہ نظام ہے کیا، اس کے ارکان کیا ہیں، اس میں کارفرما عوامل کیا ہیں اور وہ کیا عمل ہے جو شر و فساد کا موجب بنتا ہے؟...... زیرِ نظر تحریر اسی پر بحث کرتی ہے۔ مصنف نے انتہائی سادہ مثالوں کے ذریعے یہ پیچیدہ نظام سمجھانے کی کوشش کی ہے اور یہ امر بخوبی واضح کیا ہے کہ بینکوں اور کاغذی کرنسی کے شیطانی چکر نے کس مکاری سے انسانیت کو اپنا دست نگر اور غلام بنا رکھا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس مضمون سے ضرور مستفید ہوں گے اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے بغاوت پر مبنی اس نظام کی حقیقت سمجھ کر ضرور اس کے خلاف میدانِ عمل میں نکلیں گے۔ (مدیر)

ایک عمارت کی مثال

آپ ایک دور دراز علاقے میں پچاس افراد پر مشتمل ایک ایسی عمارت کا تصور کیجیے جو باقی دنیا سے الگ تھلگ اور دیگر انسانوں کی پہنچ سے باہر ہو۔ یقیناً اس عمارت میں رہنے والے ہر انسان کی کچھ بنیادی مادی ضروریات ہوں گی مثلا روٹی، کپڑا، مکان وغیرہ۔ نیز اسے وقتاً فوقتاً چند اساسی خدمات کی ضرورت بھی پڑے گی مثلاً کسی طبیب، مستری یا بڑھئی کی خدمات۔ اب چونکہ کسی ایک فرد کے لئے یہ تمام کے تمام ہنر سیکھنا ممکن نہیں لہٰذا مناسب صورت یہی ہے کہ ہر فرد ایک دو بنیادی ہنر حاصل کر لے اور انھیں اپنی گزر بسر کے لئے استعمال کرے۔ مثلاً ایک فرد کھیتی باڑی اور مویشی پالنے کا ہنر حاصل کر لے، دوسرا نل کاری اور ترکھان کا کام سیکھ لے، اور اسی طرح ہر فرد کوئی نہ کوئی مفید ہنر سیکھ لے۔

باہمی لین دین کا فطری طریقہ

چونکہ یہ پچاس افراد اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ہنر کے محتاج ہیں،

سوایک دوسرے کے ہنر سے فائدہ اٹھانے کے لئے انھیں باہم لین دین اوراشیاء وخدمات کا تبادلہ کرنا ہو گا۔مثلاً ایک کسان کسی معمار کو ۱۰ مرغیاں دے کر اپنے گھر کی مرمت کروائے گا یا ایک صفائی کرنے والا آدھے دن کی صفائی کے بدلے ایک جولاہے سے دو اونی سویٹر سلوائے گا۔

تبادلۂ اشیاء کی بجائے کرنسی کا استعمال

جیسے جیسے اس عمارت میں ہنرمند لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا (جو اپنی اشیائے پیداوار اور خدمات کے تبادلے کے ذریعے باہم لین دین کریں گے)، ویسے ویسے خدمات اور اشیاء کے مابین شرحِ تبادلہ قائم رکھنا مشکل اور پیچیدہ تر ہوتا جائے گا۔

یوں اس عمارت میں کاغذی نوٹ کا استعمال شروع ہوتا ہے، جو اشیاء اور خدمات کے تبادلے میں درپیش مشکلات کو ختم کر دیتا ہے۔اب کے بعد سے ایک گھنٹے صفائی کرنے کی اجرت کرنسی کی اکائی میں مقرر کی جاتی ہے، اسی طرح ایک اونی سویٹر کی قیمت ۵ اکائیاں اور ایک مرغی کی قیمت ۱۳ اکائیاں وغیرہ رکھ دی جاتی ہے۔اب اگر ایک کسان کو کسی معمار کی خدمات کی ضرورت ہے تو وہ بکریوں کی ایک متعین تعداد لے کر نہیں گھومے گا بلکہ اسے یہ خدمات حاصل کرنے کے لئے محض اپنے بٹوے میں ایک مخصوص مقدار میں کرنسی نوٹ رکھنا ہوں گے۔

بینک کا ’’اچھوتا‘‘ تصور

پس اس عمارت میں موجود تمام افراد کسی نہ کسی ہنر کے ذریعے گزر بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ایک فرد ایسا نہیں کرتا۔ یہ ایک فرد...... کچھ دیر کے لئے تصور کریں کہ وہ ایک بینکار ہے...... بجائے اس کے کہ وہ اینٹیں ڈھونے کا ہنر سیکھے یا لوگوں سے روابط استوار کرنے کا فن سیکھے یا کھانا پکانا سیکھے یا کوئی اور فن جس کے ذریعے وہ عمارت میں موجود دوسرے افراد کے ساتھ لین دین کر کے روزمرہ زندگی گزار سکے ...... وہ کچھ مختلف اور اچھوتا کام کرتا ہے۔وہ صرف اس عمارت میں استعمال ہونے والی کرنسی کو چھاپتا اور اختیار میں لاتا ہے۔ بظاہر شاید یہ ایک معصومانہ سا کام لگے مگر ذرا آپ اس فرد پر اور اس عمارت کے دیگر رہائشیوں پر اس کے اثرات ملاحظہ کیجئے۔

بینکار نے کوئی محنت نہیں کرنی، محض نوٹ چھاپنے ہیں

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اس عمارت کے رہائشی اب اشیاء اور خدمات کے براہِ راست تبادلے کی

بجائے آپس میں کرنسی کا تبادلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اب اگر ایک باورچی کو علاج معالجہ کی ضرورت ہے تو اسے ڈاکٹر کو ایک مخصوص تعداد میں کیک بنا کر نہیں دینے ہوں گے بلکہ وہ ڈاکٹر کو ایک متعین مقدار میں کاغذی نوٹ دے گا۔ یہ نوٹ جسے وہ اپنے علاج پر خرچ کرتا ہے، شاید اس نے پچھلے ہفتے ایک کسان کو کیک بیچ کر کمائے ہوں۔لیکن بالفرض اگر بینکار کو علاج کی ضرورت پیش آجائے تو اسے کیا کرنا ہوگا؟ کیا وہ علاج سے پہلے گھنٹوں کسی کی خدمت کر کے یا کوئی قابلِ فروخت شے بیچ کر نوٹ کمائے گا اور وہ نوٹ کسی طبیب کو دے کر اپنا علاج کرائے گا؟ نہیں! اسے یہ سب مشقت نہیں اٹھانا پڑے گی۔اسے تو محض مزید کاغذی کرنسی چھاپنی ہوگی جسے اس عمارت کے رہائشی آپس میں تجارت کے لئے استعمال کریں گے اور اس کے بدلے میں وہ اسے علاج کی سہولت فراہم کر دیں گے۔ جب کبھی بھی وہ کوئی ضرورت کی چیز یا کسی کی خدمات حاصل کرنا چاہے گا تو اسے بس یہی کرنا ہوگا۔

انسانیت کو غیر محسوس انداز میں غلام بنانے کا شیطانی حیلہ

چنانچہ عمارت پر اس کا مجموعی اثر یہ مرتب ہو رہا ہے کہ باقی ۴۹ لوگ اس کاغذی کرنسی کو حاصل کرنے کے لئے بھاگ دوڑ اور محنت مشقت کرتے ہیں، اور پھر اس کرنسی کے ذریعے دیگر اشیائے ضرورت اور دیگر بنیادی خدمات حاصل کرتے ہیں، جبکہ بینکار کو کسی کام میں شامل نہیں ہونا پڑتا۔ اسے صرف کرنسی چھاپنے کے لئے درکار وسائل حاصل کرنے ہیں اور یہ بات یقینی بنانی ہے (خواہ اس کے لئے قوت ہی استعمال کرنی پڑے) کہ عمارت میں موجود تمام افراد ہر قسم کے لین دین کے لئے اسی کی چھاپی ہوئی کاغذی کرنسی استعمال کریں۔ یہاں ذرا سا غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بینکار اپنی روزمرہ کی اشیائے ضرورت اور خدمات بالکل مفت حاصل کر رہا ہے (سوائے کاغذی کرنسی کی چھپائی پر آنے والے اخراجات کے، جو کہ نہایت معمولی ہیں)۔

سرمایہ دارانہ نظام قوت و جبر کے بل پر قائم ہے

اس مراعت یافتہ حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بینکار یہ بات یقینی بنائے کہ عمارت میں ہر وقت صرف اسی کی کرنسی استعمال ہو، چاہے اس کی خاطر دھونس، دھاندلی سمیت کوئی بھی حربہ استعمال کرنا پڑے، بلکہ ضرورت پڑنے پر قوت کے استعمال سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔ گویا مجموعی طور پر اس بینکار کا رویہ ایک بدمعاش جیسا ہوگا۔

نیز اس حیثیت کے برقرار رہنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کاغذی کرنسی چھاپنے میں بینکار پر کسی قسم کی پابندی یا شرط نہ عائد ہوتی ہو۔یعنی اسے کرنسی نوٹ چھاپنے سے پہلے یہ یقینی نہ بنانا پڑے کہ ان نوٹوں کی مالیت کے بقدر کوئی مادی چیز، مثلاً سونا، چاندی وغیرہ اس کے پاس خزانے میں موجود ہو۔اسے مکمل آزادی ہو کہ جب چاہے، جتنے چاہے نوٹ چھاپ لے۔

قیمتی نوٹ یا کاغذ کی بے وقعت پرچیاں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کاغذی نوٹوں کے پیچھے سونا یا چاندی نہیں، تو کیا یہ واقعتاً کسی قیمت کے حامل بھی ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان کی حیثیت کاغذ کی پرچیوں کے سوا کچھ نہیں۔ کاغذ کی ان بے وقعت پرچیوں کو تو محض اس لئے قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے کہ عمارت کے تمام رہائشی باہمی لین دین و تجارت کے لئے انہیں استعمال کر رہے ہیں۔جس دن وہ کاغذ کے ان نوٹوں سے لین دین ترک کر دیں اسی دن ان کی قیمت صفر ہو جائے گی۔

مہنگائی کیوں ہوتی ہے؟

اشیاء اور خدمات کی قیمتوں پر کاغذی کرنسی کی چھپائی اور اس کے گردش میں آنے کا عملی اثر دیکھنا ہمارے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔فرض کیجئے کہ اول الذکر عمارت میں رہنے والے ۵۰ افراد کے پاس مجموعی طور پر ۵۰۰۰ اکائیوں کے نوٹ موجود ہیں۔ایسے میں ایک کسان اپنی گائے بیچنا چاہتا ہے۔وہ اس گائے کی قیمت ۴۰۰ اکائیاں مقرر کرتا ہے، اور اسے محض ایک خریدار ایسا ملتا ہے جو یہ قیمت ادا کرنے پر تیار ہوتا ہے۔اسی دوران بینکار مزید ۱۰۰۰ اکائیوں کے نوٹ چھاپ دیتا ہے۔اس رقم میں سے کچھ مقدار وہ بطورِ قرض عمارت میں موجود دو لوگوں کو (جو عمارت کے معاملات پر بالادستی جمانے میں اس کی مدد کرتے ہیں) دے دیتا ہے۔اب چونکہ ان دونوں افراد کے پاس گائے خریدنے کے لئے درکار پیسے میسر ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ بھی اس گائے کو خریدنے میں دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔

نتیجتاً اس کسان کو گائے کی فروخت میں ایک نہیں، تین آدمیوں کا سامنا ہے جو تمام اسے ۴۰۰ کی قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں۔اس مقابلے کو دیکھتے ہوئے کسان بھی گائے کی قیمت ۴۸۰ تک بڑھا دیتا ہے۔پس اب پھر سے ایک ہی آدمی اسے خریدنے کا متحمل رہ جاتا ہے۔عین ممکن ہے کہ یہ ایک آدمی وہی اصل خریدار ہو جو اس گائے کو پہلے خریدنا چاہ رہا تھا، لیکن اب اسے پہلے سے زیادہ قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

افراطِ زر سے سبھی نقصان اٹھاتے ہیں، سوائے بینکار کے

گویا اس عمارت میں افراطِ زر کا عمل شروع ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے اشیاء اور خدمات کی قیمتیں مناسب حد سے تجاوز کر گئی ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اشیاء اور خدمات کی مقدار میں کسی اضافے کے بغیر ہی لوگوں کے پاس موجود کرنسی کی مقدار میں اضافہ ہو گیا ہے لہٰذا اشیاء اور خدمات کی پرانی مقداروں (یعنی رسد) ہی کے لیے طلب اب پہلے سے زیادہ ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس عمل میں کسان نے ۱۸۰ اکائیوں کا فائدہ اٹھایا ہے لیکن جب یہی کسان خود اپنی ضروریات کے لیے کسی سے اشیائے صرف یا خدمات طلب کرے گا تو اسے بھی بعینہ اسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا اس کا حاصل کردہ منافع بے معنی ہو جائے گا۔ البتہ اس سارے عمل میں بینکار کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ ایک طرف تو وہ مقروض شخص سے اپنی رقم بمع سود واپس لے لے گا، نیز وہ اپنے کسی بھی خسارے کو مزید نوٹ چھاپ کر پورا کر لے گا۔

دس عمارتوں پر مشتمل بستی کی مثال لیجیے

ابھی تک ہم نے صرف ایک بڑی عمارت پر بینک اور کاغذی کرنسی کے نظام کا اثر دیکھا ہے۔ آیئے اب ایسی ہی ۱۰ عمارتوں پر مشتمل ایک بستی کے بارے میں تصور کرتے ہیں جن میں سے ہر عمارت میں ۵۰ افراد رہتے ہیں؛ اور سب مذکورہ بالا طریقے ہی سے رہائش پذیر ہیں۔ یقیناً ان میں سے ہر عمارت کے رہائشیوں کے پاس اپنی علیحدہ کرنسی ہو گی جو ان کی عمارت میں گردش کرتی ہو گی۔ لیکن ہماری پہلی عمارت کے بینکار نے دوسری عمارتوں کے لئے بھی منصوبہ تیار کر رکھا ہے۔ اگر وہ کسی طرح اپنی کرنسی اپنی عمارت کے ساتھ ساتھ دوسری عمارتوں میں بھی لاگو کرا لے تو اس کی قوتِ خرید بڑھ جائے گی۔

تیل کی خرید و فروخت بھی بینکار کی کرنسی میں

چنانچہ یہ بینکار تمام عمارتوں کا جائزہ لیتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ ایک عمارت ایسی بھی ہے جس کی بنیادی پیداوار مٹی کا تیل ہے۔ مٹی کا تیل اس عمارت کے ساتھ ساتھ دیگر عمارتوں میں بھی ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔ بینکار سوچتا ہے کہ اگر وہ مٹی کا تیل خریدنا چاہے تو چونکہ یہ پیداوار ایک دوسری عمارت سے تعلق رکھتی ہے جہاں اس کی کاغذی کرنسی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لہٰذا اسے تیل خریدنے کے لئے کوئی مادی شے یا کوئی خدمت پیش کرنا ہو گی۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ یہ تکلیف و مشقت

اٹھائے، وہ اس مسئلے کا ایک بہترین حل نکالتا ہے۔ وہ دوسری عمارت کے رہائشیوں کو بھی اپنی کرنسی میں تجارت کرنے پر آمادہ کرلیتا ہے۔

بینکار اور شاہی خاندان کے گہرے روابط کا پس منظر

سوال یہ ہے کہ وہ انہیں اتنی بڑی بات پر آمادہ کرنے میں کیسے کامیاب ہوا؟ دراصل اس نے تیل پیدا کرنے والی عمارت میں ایک ایسا خاندان تلاش کرلیا تھا جو اس سے قریبی تعلقات پیدا کرنے پر آمادہ تھا۔ پھر اس خاندان نے اپنے مقامی اثر ورسوخ اور مختلف حیلے بہانے استعمال کرتے ہوئے عمارت کے تمام خاندانوں کو بینکار کی کرنسی میں خرید وفروخت کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سب کے بدلے بینکار نے اس خاندان کو اس عمارت میں اپنی حیثیت کو مضبوط و مستحکم کرنے اور عمارت کے جملہ معاملات پر تسلط دلانے میں مدد دی۔ نیز بینکار نے اس خاندان کے اس دعوے کو دوام اور قوت بخشی کہ مٹی کا تیل ...... جو اس عمارت کی عمومی پیداوار تھی ...... اس پر صرف اس خاندان کا حق ہے اور عمارت میں موجود کسی دوسرے خاندان کا اس پر کوئی حق نہیں، حالانکہ امرِ واقع اس کے برخلاف ہے۔

الغرض پہلی عمارت کی طرح مٹی کا تیل پیدا کرنے والی عمارت کے باسی بھی اب بینکار کی کرنسی میں لین دین شروع کردیتے ہیں۔ نتیجتاً کرنسی کی قدر مزید بڑھ جاتی ہے۔ نیز اب پہلی عمارت کے باسی نہایت سہولت سے اپنی عمارت میں رائج کرنسی سے دوسری عمارت میں پیدا ہونے والا مٹی کا تیل خرید سکتے ہیں۔

کاغذی کرنسی کا طلسم تیل پیدا کرنے والوں کے دم سے قائم ہے

اس تبدیلی کا اثر باقی بستی پر بھی پڑے گا، یعنی جس عمارت کے باسی کو بھی مٹی کا تیل درکار ہوگا اسے بینکار کی کرنسی ہی میں تیل خریدنا پڑے گا ...... کیونکہ مٹی کے تیل کا مالک خاندان اپنے مخصوص مفادات کے پیشِ نظر کسی اور کرنسی میں خرید وفروخت پر آمادہ نہیں۔ پس اب تیل کے خریداروں کو پہلے بینکار سے رجوع کرنا ہوگا اور اسے کچھ مادی اشیاء اور خدمات فراہم کرکے اس سے کرنسی نوٹ لینا ہوں گے۔ پھر اس کرنسی سے تیل خریدا جائے گا۔ نتیجہ پھر وہی نکلے گا، یعنی بینکار کی کرنسی کی قدر میں مزید اضافہ ہوجائے گا اور اس کی دولت مزید پھلے پھولے گی۔

لیکن بینکار یہ بات بھی بخوبی جانتا ہے کہ جس دن ان دیگر عمارتوں نے اس کی کرنسی میں لین دین کرنا چھوڑ دیا اور اپنی علیحدہ کرنسی بنالی ...... خصوصاً جو عمارتیں جو اس بستی کی معیشت کو سنبھالا دیئے ہوئے ہیں

(مثلاً مٹی کا تیل بنانے والی عمارت) ......اسی دن اس کا اثر ورسوخ ختم ہو جائے گا اور اس کی معیشت بالکل بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ اس نے یہ بات طے کر رکھی ہے کہ اگر وہ سیاسی اور تجارتی ذرائع استعمال کرتے ہوئے ان عمارتوں کو اپنی کرنسی استعمال کرنے پر آمادہ نہ کر سکا، خصوصاً مٹی کے تیل والی عمارت کو، تو آخری ہتھیار کے طور پر وہ بزورِ قوت انہیں اپنی کرنسی کے استعمال پر مجبور کرے گا۔

امریکی ڈالر کی بالادستی کا سفر

یہ سب محض کسی تخیلاتی دنیا کی کہانی نہیں، بلکہ حقیقت کی دنیا میں بھی عالمگیر سطح پر یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ آج کی دنیا میں اس بینکار کا نام 'امریکہ' اور اس کی کرنسی 'امریکی ڈالر' ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے اختتام تک امریکہ اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا چکا تھا کہ ۱۹۴۴ میں ہونے والے 'بریٹن ووڈ معاہدے' کے تحت اس کی کرنسی کو عملاً دنیا کی واحد ''ریزرو'' (reserve) کرنسی کے طور پر تسلیم کر لیا گیا، مگر اس وقت تک یہ کرنسی سونے کے پیمانے سے منسلک تھی۔ اگلے کئی سالوں تک ڈالر یونہی سونے کے ساتھ منسلک رہا، لیکن بالآخر ۱۹۷۱ء میں امریکی ایماء پر دنیا کی نام نہاد ''بڑی قوتوں'' کے مابین بریٹن ووڈ معاہدہ منسوخ ٹھہرا۔ اس دن کے بعد سے ڈالر کے کاغذی نوٹوں کا تعلق سونے سے ٹوٹ گیا، یعنی اب کوئی شخص بھی کسی بینک کو ڈالر واپس کر کے اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ اسے سونا دیا جائے۔ (یاد رہے کہ کاغذی نوٹ کا اصل تصور یہی تھا کہ باہمی لین دین کے لئے سونے یا چاندی کو ساتھ لئے لئے گھومنے کی بجائے انہیں کسی بینکار کے پاس جمع کرا دیا جائے اور اس سے کاغذ کی ایک رسید وصول کر لی جائے (جو کہ نوٹ کہلاتی ہے)۔ پھر باہم لین دین کے لئے ان رسیدوں ہی کا تبادلہ کیا جائے اور ہر فرد کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ جب چاہے بینکار کو یہ رسید واپس کر کے سونے کی ادائیگی کا مطالبہ کر دے۔ ایسی صورت میں بینکار پر لازم تھا کہ وہ رسید پر درج مالیت کے بقدر سونا اسے فراہم کر دے۔ یہ اسی کی یادگار ہے کہ (مثال کے طور پر) ۱۰۰ روپے کے تمام نوٹوں پر آج تک یہ جملہ درج ہوتا ہے کہ ''بینک دولت پاکستان ایک سو روپیہ حاملِ ہذا کو مطالبے پر ادا کریگا''، اگرچہ اس جملے پر عمل اب متروک ہو چکا ہے۔ مترجم)

ایک سوچا سمجھا فریب

بریٹن ووڈ معاہدے کے پیچھے یہ سوچ کارفرما تھی کہ یہ امر یقینی بنایا جائے کہ دنیا کی تمام بڑی کرنسیوں کے پیچھے ان کی مالیت کے بقدر سونا موجود ہو۔ چنانچہ اس معاہدے کے مطابق کم از کم نظری طور پر کوئی ملک آزادی کے ساتھ کرنسی نہیں چھاپ سکتا تھا۔ لیکن چونکہ دنیا کے دیگر رفتہ رفتہ ممالک اپنا اثر کھوتے گئے اور امریکہ درجہ بدرجہ دنیا کی قیادت کے مرتبے پر فائز ہو گیا، چنانچہ بالآخر امریکہ کی

ایماء پر یہ معاہدہ توڑ دیا گیا۔

اگر اس مسئلے کو پچھلی مثال کے تناظر میں دیکھا جائے تو یوں سمجھئے کہ مختلف عمارتوں نے اپنی اپنی کرنسی کا اجراء کیا لیکن ایک بڑے بینکار نے ایک حیلے کے ذریعے باقی عمارتوں کو بھی اپنی کرنسی میں تجارت کرنے کے لیے آمادہ کرلیا۔ اصلاً تو کسی بھی عمارت والے اپنی کرنسی پر دوسری کرنسی کو فوقیت دینے پر آمادہ نہیں تھے، لیکن یہ وعدہ کر کے ساری بستی کو راضی کرلیا گیا کہ جب کبھی کوئی اس نظام سے غیر مطمئن ہو تو وہ یہ کرنسی واپس کر کے اس کے بقدر سونا حاصل کرسکتا ہے۔ تاہم جب ایک دفعہ تمام عمارتیں اس بات پر رضامند ہوگئیں اور اس کرنسی کا استعمال شروع کر دیا تو یہ بینکار اپنے وعدے سے مکر گیا۔ لیکن اس عرصے میں بینکار نے اپنا اثر ورسوخ اس حد تک بڑھا لیا تھا کہ اب کوئی عمارت بھی اس کی کرنسی سے رجوع کرنے کی جرات نہ کرسکی۔

خام تیل کی تجارت صرف ڈالر میں ہوسکتی ہے

عالمی معیشت و بین الاقوامی سیاست پر اپنی گرفت قائم کرنے کی غرض سے امریکہ نے ۱۹۷۱ء میں ہی تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم (OPEC) سے یہ طے کرلیا کہ تیل کی تجارت صرف امریکی ڈالر میں ہوگی۔ نتیجتاً آج کوئی بھی ملک ڈالر سے آزاد ہوکر اپنے معاملات نہیں چلا سکتا ہے۔ آج خام تیل کے بیرلوں کی تجارت...... جس میں لاکھوں بیرل یومیہ کا لین دین ہوتا ہے اور جو نہایت مہنگے داموں بکتے ہیں...... یہ تجارت ڈالروں میں ہونے کے سبب امریکی کرنسی بین الاقوامی سطح پر تجارت کی ایک بنیادی ضرورت بن گئی ہے۔ یوں نہ صرف خام تیل کی تجارت ڈالروں میں ہورہی ہے بلکہ اس کے دیکھا دیکھی سونے سمیت بہت سی دیگر بنیادی اشیائے صرف کی خرید وفروخت بھی ڈالر میں ہونے لگی ہے۔

عالمی معاشی بحران؛ سرمایہ دارانہ نظام کی خامیوں کا منطقی انجام

آج ڈالر کی بالادستی قائم ہوئے ۴۰ سال سے بھی کم عرصہ بیتا ہے کہ مغرب کا بینکاری نظام واضح طور پر تباہی کے دہانے پہ کھڑا نظر آرہا ہے۔ قرض کے بے لگام لین دین اور short selling,credit derivative trade،default swaps اور نقائص سے پُر دیگر تجارتی معاملات کے سبب مغربی بینک آج پے در پے دیوالیہ ہورہے ہیں۔ (ترجمہ مکمل ہونے تک ایسے بینکوں کی تعداد ۱۰۶ تک پہنچ چکی ہے۔ مترجم)

سرمایہ داری کے علمبردار اپنے اصولوں سے انحراف پر مجبور ہیں

وہ مغربی ریاستیں جنہوں نے پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ فلسفہ نافذ کرنے کا ٹھیکہ اٹھا رکھا تھا (جس کے تحت تیسری دنیا کے ممالک پر زور ڈالا جارہا تھا کہ وہ درآمدات پر عائد پابندیوں کو توڑ کر اپنی منڈیوں کو آزاد کریں اور ملکی اثاثوں کی انتہائی کم قیمت پر نجکاری کریں)...... جب آخر کار ان کی اپنی باری آئی تو وہ منافقت و دوہرے معیار اختیار کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ ان کے معاشی ادارے منڈیاں آزاد کرنے کے سبب تباہ ہوجائیں۔

اگرچہ مغربی ریاستیں سرمایہ کاری کے مختلف طریقوں، نیز خلیجی ریاستوں سے امداد کی وصولی کے ذریعے عالمی معاشی بحران سے پیدا ہونے والے خلاء کو پر کرنے کے لئے کوشاں ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ذرائع سے اتنا بڑا خلاء پر ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ ان ریاستوں کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں باقی بچا یہ کہ اپنی اپنی حکومتوں کے سامنے کاسہءِ گدائی دراز کریں اور اس بحران سے نکلنے کے لئے ان سے مدد لیں۔ دوسری طرف ان حکومتوں کے پاس بھی...... معاشی دنیا کے اشراف سے اپنے گہرے روابط کے سبب اور اس بھیانک خدشے کے پیشِ نظر کہ اگر تمام بینک دیوالیہ ہوگئے اور پورا معاشی ڈھانچہ بیٹھ گیا تو کہیں یہ اپنے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام پر قائم اس پورے معاشرے کو بھی نہ لے ڈوبے...... اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ یہ اپنے بنکوں میں مزید اربوں ڈالر، پاؤنڈ، اسٹرلنگ اور یورو ٹھونسیں۔

عالمی معاشی بحران کا اصل نقصان عوام کو ہے

یہی بات سب سے خطرناک ہے کہ اگر بینکوں کا نقصان پورا کرنے کے لئے حکومتوں کے پاس موجود اموال کافی نہ ہوئے تو وہ یہ کمی مزید نوٹ چھاپ کر پورا کریں گی۔ ماضی قریب ہی میں امریکی حکومت نے اپنے معاشی شعبے کو اس بحران سے نکالنے کی خاطر ۷۰ کروڑ ڈالر کی امداد کا اعلان کیا ہے۔ بعض ماہرینِ معاشیات کے مطابق امریکی حکومت یومیہ ۴۰ کروڑ ڈالر یا ہفتہ وار ۲۰ کھرب ڈالر اس معاشی نظام میں داخل کررہا ہے۔ اس سے وقتی طور پر تو شاید بینکوں کو دیوالیہ ہونے سے بچالیا جائے مگر حقیقت میں خسارہ ختم ہونے کی بجائے محض ایک وجود سے دوسرے کی طرف منتقل ہورہا ہے۔ جب پیسہ چھپے گا اور بینکوں کو دیوالیہ ہونے سے بچانے کے لئے ان میں داخل کیا جائے گا تو یہ پیسہ اس معیشت میں اپنی جگہ بنانا شروع کردے گا۔ جیسے جیسے یہ معاملہ آگے بڑھے گا، افراطِ زر اور مہنگائی تیزی سے پھیلیں گے کیونکہ اشیاء اور

خدمات کی پہلے سے موجود مقداروں کو حاصل کرنے کے لیے اب پہلے کی نسبت کہیں زیادہ کرنسی دستیاب ہوگی۔اس سارے عمل کا ایک ہی نتیجہ نکلنا ممکن ہے......یعنی آئندہ مہینوں اور سالوں میں زبردست عالمی کساد بازاری جس سے خود مغربی معیشتیں بھی بری طرح متاثر ہوں گی۔گویا درحقیقت بینکوں کے مالی خسارے کو نہایت ہوشیاری اور مجرمانہ طریقے سے عوام کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔

عالمی پیمانے کی منفرد ڈکیتی

واضح رہے کہ یہ ایک ڈکیتی ہے...... عالمی پیمانے پر ہونے والی ''عظیم الشان'' ڈکیتی! ایک ایسے منفرد انداز کی ڈکیتی جس کا ارتکاب مذکورہ بالا طریقے کے سوا کسی طرح ممکن نہیں۔ڈکیتی کی اس واردات کے لئے لوگوں کی ملکیت میں موجود چیزوں کو ان سے چھیننے یا ان پر قبضہ جمانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ لوگوں نے اپنے خون پسینے کی کمائی تجوریوں میں رکھی ہو یا اپنے تکیوں کے نیچے، نئے نوٹ چھپنے کی وجہ سے (جو دراصل بینک کی ملکیت ہیں) اس کی اصل قدر یا قوتِ خرید اپنی جگہ پڑے پڑے ہی کم ہوتی جائے گی۔ جتنے زیادہ ڈالر چھپ کر گردش میں آئیں گے، پہلے سے موجود ڈالر (یا ڈالر سے وابستہ دیگر کرنسیوں مثلاً سعودی ریال وغیرہ) کی قیمت اتنی ہی گھٹتی جائے گی۔مثلاً اگر ایک فرد کے پاس ۱۰۰۰ ڈالر ہیں لیکن اس افراطِ زر کی وجہ سے اب ان کی قدر پہلے کے ۶۰۰ ڈالر جتنی رہ گئی ہے تو سمجھئے کہ اس کے پاس سے ۴۰۰ ڈالر چوری ہوگئے ہیں بغیر کسی واردات کے! اور یہ چوری کرنے والا کوئی ڈاکو نہیں بلکہ اس کی اپنی حکومت اور بینک ہیں۔

ڈالر سے رشتہ توڑنا ہوگا

تمام ممالک، خصوصاً مشرقِ وسطیٰ کی ریاستوں کے پاس اس مشکل سے نکلنے کی راہ یہی ہے کہ وہ ڈالر کو تباہ کرنے کی کوشش کریں۔ جب تک وہ اس ڈالر میں تجارت کرتے رہیں گے تب تک اسے تقویت ملتی رہے گی اور جس دن وہ اس سے رشتہ توڑیں گے اسی دن یہ دھڑام سے گر جائے گا۔ چونکہ عرب ممالک اور چین کے پاس مجموعی طور پر ڈالر کے ذخائر کا سب سے بڑا حصہ ہے (جو انھوں نے اشیائے ضرورت کی فروخت اور خدمات کی فراہمی کے ذریعے حاصل کئے ہیں)......لہٰذا اس ساری صورتحال میں ان کا سراسر نقصان ہے۔امریکہ کے مجرمانہ طور پر دھڑا دھڑ ڈالر چھاپ کر دنیا میں پھونکنے سے وہ ساری آمدنی جو انھوں نے کمائی ہے، بے وقعت ہوتی جارہی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑنا ہی واحد حل ہے

آج اگر مغربی دنیا بریٹن ووڈ معاہدے کی طرف واپس چلی بھی جائے (یعنی کرنسی نوٹوں کی مالیت کے بقدر سونا بینکوں میں رکھ لے اور آزادانہ نوٹ چھاپنا بند کر دے) تب بھی اس چیز کی کوئی ضمانت نہیں کہ معیشت سنبھلنے اور دوبارہ قوت پانے کے بعد وہ اسی تماشے کو دوبارہ نہیں دہرائی گی۔ اصل حل اس موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کی بہتری کی سعی نہیں، بلکہ اس سے نمٹنا اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے، کیونکہ مذکورہ بالا تمام تر کھیل اسی نظام کے اکھاڑے میں کھیلا جا رہا ہے۔ پس ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ سابقہ اشترا کی نظام کی طرح موجودہ سرمایہ دارانہ نظام بھی ایک مکمل ناکام اور باطل نظام ہے، اور یہی نظام آج منبعِ شر وفساد بنا ہوا ہے۔

اسلام ہی انسانیت کی اخروی و دنیوی فلاح کا ضامن ہے

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی صورت میں ایک مکمل حل عطا کر رکھا ہے۔ مختصراً بیان کیا جائے تو اسلامی نظامِ معیشت میں، اپنے دیگر ثمرات و برکات کے ساتھ ساتھ، اس مسئلے کا عملی حل یہ ہے کہ سونے کو ''ثمنِ حقیقی'' (قدر و قیمت کی حامل اصل کرنسی قرار دیا گیا ہے) اور کسی بھی ''ثمنِ عرفی'' (عام رواج پا جانے والی کرنسی) کی اس حقیقی کرنسی سے آزاد کوئی حیثیت نہیں تسلیم کی گئی۔ یوں کاغذی کرنسی کی بے لگام چھپائی کے ذریعے انسانیت کا استحصال کرنے کے دروازے پہلے ہی بند کر دیئے گئے ہیں۔ نیز اسلام سرمایہ دارانہ نظام میں موجود ان بہت سے تجارتی معاملات کی اجازت بھی نہیں دیتا جو آج بینکوں میں رائج ہیں اور عالمی معیشت کی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ چونکہ اسلامی شریعت کے اصول اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اور قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں، اس لیے ان میں وقتی مصالح اور مفادات کے پیشِ نظر کسی اصولی تبدیلی کی گنجائش نہیں اور وہ ہر حال میں واجب الاتباع رہیں گے۔

و آخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العالمین!

فاسئلوا أهل الذکر

حصولِ علم افضل ہے یا کفار کے خلاف جہاد؟

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللّٰہ

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ(۳۰۵ تا ۳۷۰ھ) کا شمار احناف کے متقدمین آئمہ میں ہوتا ہے۔آپ نے ابوسہل الزجاجؒ اور ابوحسن الکرخیؒ جیسے کبار علماء سے علم حاصل کیا۔فقہ، اصولِ فقہ، علمِ تفسیر اور علمِ حدیث میں غیر معمولی گہرائی کے سبب معروف ہوئے۔آپ نے بغداد کو درس و تدریس کا مرکز بنایا اور ابوعبداللہ جرجانیؒ اور ابوحسن زعفرانیؒ جیسے بڑے بڑے نام آپ ہی کے ہاتھوں تراشے گئے۔آپ اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے بھی جانے جاتے تھے۔آپ کو ایک سے زائد مرتبہ منصبِ قضاء کی پیش کش کی گئی جسے آپ نے ہر بار ٹھکرایا۔آپ کی تالیفات میں أحكام القرآن، الفصول في علم الأصول ، شرح مختصر الكرخي، شرح مختصر الطحاوي، شرح الأسماء الحسنٰى اور أدب القضاء شامل ہیں۔ذیل میں آپ کی تفسیر ''احکام القرآن'' سے ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر دشمن کے حملے کا محض اندیشہ بھی ہو، تو حکمِ شریعت یہ ہے کہ تعلیم و تعلّم کا سلسلہ روک کر محاذوں کا رخ کیا جائے یہاں تک کہ دشمن کو پچھاڑنے کے لئے مطلوب تعداد پوری ہو جائے۔بلاشبہ آج جہاد کے میدان ایسے علماء کی راہ تکتے ہیں جو عمر بن خطابؓ اور علی المرتضیٰؓ جیسے فقہاء صحابہ اور عبداللہ بن مبارکؒ، ابنِ تیمیہؒ، عز بن عبدالسلامؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شیخ عبداللہ عزامؒ جیسے علمائے حق کی یادیں تازہ کریں...... جو محاذوں پر صفِ اول میں لڑتے اور مجاہدین کی شرعی رہنمائی کا فریضہ سنبھالتے نظر آتے تھے۔یہ اقتباس علمائے کرام اور طلبائے مدارسِ دینیہ کو بالخصوص اور دیگر علوم و فنون سیکھنے میں مشغول افراد کو بالعموم، وقت کا ایک اہم شرعی فریضہ اور ''إنفروا خفافاً و ثقالاً'' کی قرآنی پکار یاد دلاتا ہے۔(مدیر)

''فإن قيل: تعلّم العلم أفضل أم جهاد المشركين، قيل له إذا خيف معرّة العدو وإقدامهم على المسلمين، ولم يكن بإزائه من يدفعه، فقد تعين فرض الجهاد على كل أحد، فالإشتغال في هذه الحال بالجهاد أفضل من تعلّم العلم لأن ضرر العدو إذا وقع بالمسلمين لم يمكن تلافيه، وتعلّم العلم ممكن في سائر الأحوال، و لأن تعلم العلم فرض على الكفاية، لا على كل أحد في خاصة نفسه، ومتى لم يكن بإزاء العدو من يدفعه عن المسلمين فقد تعيّن فرض الجهاد على كل أحد، وماكان فرضًا معيناً على الإنسان غير موسّع عليه في التأخير فهو

أولٰى من الفرض الذي قام به غيره، وسقط عنه بعينه، وذلك مثل الإشتغال بصلاة الظهر في آخر وقتها هو أولٰى من تعلّم علم الدين في تلك الحال إذ كان الفرض قد تعيّن عليه في هذا الوقت.فإن قام بفرض الجهاد من فيه كفاية وغنى فقد عاد فرض الجهاد إلى حكم الكفاية كتعلّم العلم، إلا أن الإشتغال بالعلم في هذه الحال أولٰى وأفضل من الجهاد لما قدّمنا من علو مرتبة العلم على مرتبة الجهاد، فإن ثبات الجهاد بثبات العلم، وإنه فرع له ومبني عليه".

''اگر یہ پوچھا جائے کہ حصولِ علم افضل ہے یا کفار کے خلاف جہاد؟ تو میں کہوں گا کہ اگر مسلمانوں کے خلاف دشمن کے حملے کا خوف ہو اور اس حملے کو روکنے اور امت کا دفاع کرنے والا کوئی نہ ہو، تو جہاد ہر مسلمان پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ پس اس حال میں جہاد کرنا ہی علم حاصل کرنے سے افضل ہے۔(اس کی دو وجوہات ہیں:)

(پہلی وجہ یہ ہے کہ) ایسی حالت میں جہاد ترک کرنے سے مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا، جبکہ علم ترک کرنے میں یہ اندیشہ نہیں، کیونکہ علم تو بعد میں بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(دوسری وجہ یہ ہے کہ) علم حاصل کرنا تو فرضِ کفایہ ہے، ہر مسلمان پر تعین کے ساتھ فرض نہیں۔ لیکن اگر حملہ آور دشمن کو پچھاڑنے کے لئے مطلوبہ (افرادی و مالی) قوت موجود نہ ہو تو جہاد ہر مسلمان پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ پس وہ فرضِ عین جس کی ادائیگی میں تاخیر کی گنجائش نہ ہو، اس فرض سے افضل ہے جو اس کے علاوہ بھی ادا ہو سکتا ہو۔ مثلاً آخری وقت میں نمازِ ظہر کی ادائیگی اس وقت علم حاصل کرنے سے افضل ہے کیونکہ نمازِ ظہر اس وقت فرضِ عین ہو چکی ہوتی ہے۔

ہاں! اگر مسلمانوں کی جانب سے دفاع کرنے والے کفار کو پچھاڑنے کے لئے کافی ہو جائیں تو پھر جہاد بھی حصولِ علم کی طرح فرضِ کفایہ ہو جائے گا، اور اس حال میں علم حاصل کرنا افضل ٹھہرے گا۔ علم کا مرتبہ (عام حالات میں) جہاد کے مرتبے سے بلند تر ہے کیونکہ جہاد پر ثبات علم کے بغیر ممکن نہیں، علم اصل ہے اور جہاد اس کی فرع اور جہاد علم ہی کی بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے''۔

(أحكام القرآن للجصاص، باب فرض النفير والجهاد، مطلب: في أن تعلم العلم أفضل أم جهاد المشركين)

من المؤمنین رجال صدقوا

امیر بیت اللہ محسود شہید رحمۃ اللہ علیہ

از اعظم طارق حفظہ اللہ

(ترجمان تحریکِ طالبان پاکستان)

آج عالمِ کفر کو سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہے کہ کہیں امتِ مسلمہ کو کوئی قیادت میسر نہ آجائے، اور امت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ عالمِ کفر کی ریشہ دوانیوں اور شرعی تعلیمات سے دوری کے سبب مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آج اپنی قیادت کو پہچاننے سے قاصر ہے۔ نہ صرف قیادت کو پہچاننے سے قاصر ہے بلکہ کفار کے پھیلائے ہوئے دجل کا شکار ہو کر اکثر اپنی قیادت کو ہی اپنا دشمن قرار دینے لگتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ''حق کو پہچانو! حق والوں کو خود ہی پہچان جاؤ گے''۔ گویا اہلِ حق قیادت کو پہچاننے کے لئے پہلے خود حق کو پہچاننا ضروری ہے۔ اب جبکہ حق کو قرآن وسنت، اسوۂ صحابہؓ اور سیرتِ اسلافؒ کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے باطل کے آلۂ کار ذرائع ابلاغ کے ذریعے ڈھونڈا جائے گا...... تو اہلِ حق کو پہچاننا بھلا کیونکر ممکن ہو سکے گا؟ ذرائع ابلاغ کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہر وہ شخص ہی اپنا دشمن محسوس ہوتا ہے جس کا چہرہ داڑھی سے آراستہ ہو، جو رکوع و سجود اور تلاوتِ قرآن میں مصروف ہو، جس کے کندھے پر بندوق ہو، جن کی بات اللہ کے نام سے شروع ہو کر اللہ ہی کے نام پر ختم ہوتی ہو، جو منکرات ومعاصی اور کفر وشرک سے کسی قیمت سمجھوتہ کرنے پر تیار نہ ہو اور حاکمیتِ باری تعالیٰ کے قیام اور شریعت کے نفاذ کی خاطر جاں تک سے گزر جانے کے لئے تیار رہے۔ بلاشبہ ذرائع ابلاغ کی خبروں پر ''ایمان بالغیب'' لانے والوں کو تو ہر ایسا فرد اپنا دشمن یا دشمنوں کا آلہ کار ہی نظر آئے گا۔

تعجب اس بات پر ہے ایک طرف تو ہر مسلمان کسی ایسے مسیحا کا منتظر نظر آتا ہے جو امت کو مغلوبیت ومحکومیت سے نکال کر عروج و غلبے کی راہ پر گامزن کرے...... لیکن دوسری جانب جب کبھی کوئی بندۂ مومن اپنی شرعی ذمہ داریوں کے احساس اور امت کے درد کے ہاتھوں مجبور ہو کر میدانِ عمل کا رخ کرتا ہے، اپنی دنیا تج کر امت کی دنیا وآخرت سنوارنے میں لگ جاتا ہے، امت کی جانب آنے والے تیروں کو اپنے سینے پر روکتا ہے، ہجرت و جہاد، دعوت وقتال، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اسیری وشہادت کی کٹھن گھاٹیاں طے کرتا ہے، تو اس کو اپنا ''قائد'' و ''رہنما'' سمجھنا تو دور کی بات، کتنے ہی مسلمان کفر کے پروپیگنڈے کا شکا ہو کر اسے محض ''اپنا'' ماننے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ یہ اسی کفریہ ذرائع ابلاغ کے کرشمے ہیں کہ بیت اللہ محسود اور ابومصعب زرقاوی رحمہما اللہ جیسے ابطالِ امت اس دین پر اپنی جانیں تک نچھاور کرنے کے بعد بھی بہت سے سادہ لوحوں کی نگاہ میں بھارت یا امریکہ کے ''ایجنٹ'' قرار پاتے ہیں۔ یہ اسی دجالی میڈیا پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے کہ امیر المؤمنین ملا محمد عمر اور شیخ اسامہ بن لادن جیسے محسنینِ امت (اللہ انہیں استقامت نصیب فرمائے) کے بارے میں ابھی تک

ایسے بچگانہ وسفیہانہ سوالات کئے جاتے ہیں کہ ''کیا یہ حضرات حقیقت ہیں یا محض کوئی افسانوی کردار؟''......ولا حول ولاقوۃ الا باللہ!''بلاشبہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں میں موجود دل اندھے ہو جاتے ہیں''!اس کے برعکس عوام الناس کا ایک جمِ غفیر کبھی زرداری، نواز شریف، گیلانی، الطاف حسین اور اسفندیار جیسے چور، لٹیرے سیاسی لیڈروں اور کبھی پرویز مشرف اور پرویز کیانی جیسے متکبر فوجی جرنیلوں کے پیچھے بھاگتا اور ان کو اپنا قائد و رہنما کہتا نظر آتا ہے......حالانکہ نہ تو یہ ہمارے ''اپنے'' ہیں نہ ہی ہمارے ''قائد'' یا ''رہنما'' کہلانے کے اہل! یہ سب تو اپنی صورت و سیرت، اپنے کردار و اطوار، غرض اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں شرعی تعلیمات سے بیزاری اور کفار کی نقالی کا مجسم نمونہ ہیں۔نجانے کتنے اہلِ دین کا خون ان کی گردنوں پر ہے، امت کے وسائل کا کتنا عظیم حصہ یہ ناحق ہڑپ کر چکے ہیں اور نجانے ہمیں غلام بنائے رکھنے کے کتنے اور کیسے کیسے مزید منصوبے ان کے شیطانی ذہنوں میں گردش کر رہے ہیں؟ امت کی پستی اور کفار کا غلبہ انہی عبادِ درہم و دینار، بندگانِ شہوت و ہوس، غلامانِ فرنگ اور چاکرانِ یہود و ہنود کے سبب برقرار ہے۔اللہ انہیں اپنی گرفت میں لے!

الغرض آج مسئلہ یہ نہیں کہ اس امت کے پاس قیادت موجود ہی نہیں۔مسئلہ تو یہ ہے کہ امت اپنی قیادت کو پہچان نہیں پا رہی......حالانکہ ہمارے دین نے جہاں زندگی کے ہر دوسرے شعبے میں ہمیں تفصیلی رہنمائی فراہم کی ہے وہیں یہ بھی کھول کھول کر بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کن اوصاف کی حامل قیادت محبوب ہے۔امانت، تقویٰ، پابندیٔ شریعت، علمِ دین، شجاعت، فہم و فراست، اصابتِ رائے اور قوتِ فیصلہ جیسے اوصاف سے متصف افراد ہی اس عظیم امت کی قیادت سنبھالنے کے اہل ہو سکتے ہیں۔پس ضرورت اس امر کی ہے کہ شریعت نے امت کی قیادت کے لیے جو اوصاف اور معیار بیان کئے ہیں ان کو ذہن نشین رکھا جائے، تاکہ یہ سمجھنا آسان ہو جائے کہ ہماری اصل قیادت ہم پر جبراً مسلط خائن دین وملت فوجی و سیاسی لیڈر نہیں، بلکہ ہمارے رہنما تو علمائے دین اور امرائے مجاہدین ہیں۔جنگ کے میدانوں میں کفر سے پنجہ آزمائی اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی رہنمائی کا بھاری فریضہ سنبھالنے والے انہی عظیم قائدینِ امت میں سے ایک امیر ملا بیت اللہ محسود شہید رحمہ اللہ تھے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی تمام تر سعی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور آپ کو جنتِ فردوس میں آنحضرت صلی اللہ کی رفاقت عطا فرمائیں، آمین! ذیل میں آپؒ کے حالاتِ زندگی کا مختصر تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے جو ان کے قریبی رفیق اور تحریکِ طالبان پاکستان کے ترجمان اعظم طارق صاحب نے خود قلمبند کیا ہے۔(مدیر)

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

محترم بیت اللہ محسودؒ ۱۹۷۵ء میں پیدا ہوئے۔والدین نے ابتدائی نام عبید اللہ رکھا،لیکن دینی مدرسے میں داخلہ لیتے وقت عبید اللہ سے تبدیل کر کے بیت اللہ رکھا گیا اور پھر انھیں آخر تک اسی نام سے پکارا جاتا

رہا۔ آپؒ کا تعلق محسود قبیلے کی ذیلی شاخ شابی خیل زارئے خیل سے تھا۔ آپؒ کے والد 'مولوی محمد ہارون' ایک پرہیزگار اور عالمِ باعمل شخصیت تھے۔

مولوی محمد ہارون اپنے تمام اہلِ خانہ کے ہمراہ کوٹکہ نور باز داؤد شاہ بنوں میں رہائش پذیر تھے اور امیر محترم کی پیدائش بھی یہیں ہوئی تھی۔ تاہم آپؒ کا آبائی علاقہ محسود 'زنگاڑہ' اور 'نرگوساہ' ہے۔ امیر محترم شہید بیت اللہ محسودؒ کے چار بھائی اور ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ ظاہر شاہ ۲۔ یحییٰ ۳۔ اسحاق ۴۔ یعقوب خان

آپؒ کے علاوہ بھائی یحییٰ بھی شہید ہو چکے ہیں جبکہ باقی تین بھائی بفضلِ تعالیٰ زندہ ہیں۔

آپؒ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی ۲۰۰۲ء میں ہوئی۔ آپ کی پہلی زوجہ محترمہ کا تعلق آفریدی قوم سے ہے۔ دوسری شادی ۲۰۰۸ء کے آخر میں حاجی اکرام الدین شابی خیل کی بیٹی سے ہوئی۔ محترمہ دینی علوم سے فارغ التحصیل تھیں، اور آپ کے حصے میں یہ سعادت بھی آئی کہ آپ اپنے عظیم شوہر کے ہمراہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئیں۔

امیر محترم کی سیرت کے تذکرے کے ساتھ ساتھ آپ کی صورت کا تذکرہ بھی کرتے چلیں۔ آپؒ قد کے لحاظ سے نہ پست قد تھے اور نہ ہی زیادہ لمبے تڑنگے۔ رنگ گندمی، کھلا ہنس مکھ چہرہ، سیاہ لمبی داڑھی، گھنے بال اور موٹی موٹی سیاہ آنکھیں۔ آپ مضبوط صحت و اعصاب کے مالک تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب اوصافِ حمیدہ سے نوازا تھا۔ آپ خاکسارانہ طبیعت، مہم جویانہ مزاج، جہادی ذوق وشوق، عزمِ بلند، فصاحتِ لسان اور اوصافِ قائدانہ سے متصف تھے۔

امیر محترم کے والد مولوی ہارون صاحب چونکہ دینی مزاج کے حامل تھے لہٰذا انھوں نے آپؒ کی تعلیم کا آغاز دینی تعلیم ہی سے کیا۔ آپؒ نے قاعدہ بغدادی گھر پر اپنے والدِ محترم ہی سے پڑھا۔ پھر ناظرۂ قرآن پیپل مدرسہ بنوں سے پڑھا۔ اس کے بعد ابتدائی دینی کتب کے لئے اسد خیل مدرسے چلے گئے۔ آپؒ کچھ مدت کے لئے اکوڑہ خٹک کے دینی مدرسے میں اکابر علمائے کرام سے بھی مستفید ہوئے۔ تاہم آپ نے اپنی بیشتر تعلیم مدرسہ نظامیہ میر علی شمالی وزیرستان ہی سے حاصل کی۔

آپؒ دینی علم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ آپ نے پرائمری تعلیم ماتی سکول اور چگ جماعت سکول سے حاصل کی، مڈل تک ایاز مڈل سکول میں پڑھے اور میٹرک بنوں سٹی سکول سے

کیا۔ میٹرک کے بعد آپؒ نے عصری تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیا اور تمام تر توجہ دینی علوم کے حصول پر مرکوز کر دی۔ جبکہ اس سلسلے کے آخری مراحل بھی جہادی سرگرمیوں کی نظر ہو گئے۔

جہاد کا آغاز

آپؒ ۱۹۹۳ء سے حصولِ علم کے ساتھ ساتھ جہادِ افغانستان میں باقاعدہ حصہ لیتے رہے۔ تاہم ابتداء میں آپؒ یہ سرگرمیاں اپنے والد مولوی محمد ہارون سے خفیہ رکھتے تھے، کیونکہ والدِ محترم اس وقت حصولِ علم پر زور دیا کرتے تھے۔ مگر خوش قسمتی سے مولوی محمد ہارون کو ایک رات خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بیٹے بیت اللہ کو جہاد کے لئے آزاد کر دو اور کوئی قدغن نہ لگاؤ۔ چنانچہ اس خواب کے فوراً بعد مولوی محمد ہارون نے اپنے فرزندِ ارجمند کو جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی مکمل اجازت دے دی۔ نیز آپؒ نے خود بھی اپنے آپ کو جہاد کے لئے وقف کر دیا اور دنیوی آلائش و آسائش کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔

سقوطِ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دنوں میں آپؒ القاعدہ کے مجاہدین کو محفوظ مقامات پر منتقل کرتے رہے اور ایک عرصے تک مسلسل اسی خدمت میں لگے رہے۔ جب سقوط کے بعد امریکی یلغار کے خلاف مجاہدینِ افغانستان دوبارہ منظّم ہونے لگے تو امیر محترم شہید بیت اللہ محسودؒ نے اکابرینِ امارتِ اسلامیہ افغانستان کی اجازت سے تنظیم طالبان حلقۂ محسود قائم کی۔

تنظیم کا پہلا اجلاس بمقام 'برونڈ' علاقہ محسود منعقد ہوا۔ اسی اجلاس میں آپؒ کو مجاہدین ساتھیوں نے امیر منتخب کیا۔ پھر دوسرا اجلاس آپؒ ہی کی سربراہی میں علاقہ 'مکین' میں منعقد ہوا جس میں مجاہدین ساتھیوں کی تعداد میں پہلے کی نسبت تھوڑا اضافہ دیکھنے میں آیا۔ اس اجلاس میں دعوتِ جہاد پر خاص زور دیا گیا۔ کچھ عرصے بعد تیسرا اجلاس ایک بار پھر علاقہ 'مکین' میں بلایا گیا۔ دعوتِ جہاد کی بدولت اب کی بار مجاہدین کی تعداد قابلِ دید تھی۔ اس اجلاس میں جہادی مقاصد کے حصول کے لئے اپنی مدد آپ کے تحت چندہ جمع کیا گیا، اور یہاں سے اندرونِ افغانستان پہلے گروہ کی تشکیل کی گئی؛ جس نے وہاں کامیاب کارروائیاں کیں، دشمن کو خوب نقصان پہنچایا اور پھر تمام ساتھی بخیریت واپس بھی آ گئے۔

آپؒ چونکہ فطری طور پر قائدانہ اور سپاہیانہ اوصاف سے متصف تھے لہٰذا جہادِ افغانستان کے سلسلے میں 'کاروانِ بیت اللہ' کے نام سے ایک نئے اور روشن باب کا اضافہ ہو گیا۔ ابتداء میں آپ نے اپنی جہادی

سرگرمیوں کے لئے مدرسہ نظامیہ سے متصل دفتر کھولا۔ کاروانِ بیت اللہ میں جوانانِ اسلام جوق در جوق شامل ہوتے رہے اور یوں مجاہدین کی تعداد بڑھتی گئی۔ میرانشاہ اور دیگان میں نئے نئے مراکز قائم کئے گئے۔ اندرونِ افغانستان طاغوتی قوتوں پر مجاہدین کے حملوں کا دباؤ بڑھتا گیا، ناقابلِ تسخیر فوجی کیمپ تہس نہس کر دیئے گئے، افغانستان کے بڑے بڑے اضلاع مجاہدین کے قبضے میں آ گئے۔ اس طرح امریکی یلغار کے خلاف افغان جہاد میں کاروانِ بیت اللہ کی بدولت ایک انقلاب برپا ہوا۔

امیر محترم نے اپنی عسکری قوت میں 'فدائی دستے' کا قیام عمل میں لا کر کفر و الحاد کے ایوانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ افغانستان میں طاغوتی قوتوں کو اپنے اسلحے، ٹینک، توپوں، ہیلی کاپٹر اور جیٹ طیاروں پر بڑا ناز و غرور تھا اور اپنی برتر فوجی قوت کا بہت زعم تھا۔ وہ ڈرون حملوں اور دور مار میزائلوں کو مجاہدین کا توڑ سمجھتے تھے...... لیکن فدائی دستے نے اپنی قربانی کا نیا انداز پیش کرتے ہوئے طاغوتی قوتوں کا تمام تر غرور خاک میں ملا کر انھیں انگشت بدنداں کر دیا، اور کفر و الحاد کے خلاف برسرِ پیکار مجاہد قوتوں کو ایک نیا ولولہ و حوصلہ بخشا۔ ایثار و قربانی کے اس انداز نے کفر کے ایوانوں میں کہرام مچا دیا، اور یوں شہید امیر محترم بیت اللہ محسودؒ امریکہ و یورپی اتحاد کی آنکھوں کا کانٹا بن گئے اور دوسری جانب دنیا بھر کے مجاہدین کی آنکھوں کا تارا بھی۔

کاروانِ بیت اللہ کے خلاف کفری طاقتیں منصوبہ سازی میں دن رات مشغول ہو گئیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے آلہ کار اور صلیبی غلام پاکستانی حکومت اور فوج کو تیار کیا کہ وہ کاروانِ بیت اللہ سے ٹکر لیں۔ امیر محترم ملکی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے شمالی وزیرستان سے اپنے مراکز کو منتقل کر کے آبائی علاقے محسود میں لے آئے، اور پھر اسی سرزمین کو اپنی جہادی سرگرمیوں کا مسکن بنا لیا۔

حکومتِ پاکستان اور فوج سے پنجہ آزمائی

حکومتِ پاکستان نے امریکہ سے اپنی وفاداری نبھاتے ہوئے اور اس کے کھائے ہوئے نمک کو حلال کرتے ہوئے ۹ ستمبر ۲۰۰۳ء کو 'بداوازہ ڈیلہ' کے مقام پر طیاروں اور ہیلی کاپٹروں سے بمباری کر کے بیسیوں معصوم اور بے گناہ طالبان کو شہید کر دیا۔ اور پھر اسی دن 'کاروان منزہ' اور 'آسمان منزہ' کے مقامات پر یلغار کر کے انھیں قبضے میں لے لیا۔ مجاہدین نے شہداء کی لاشوں کی تکفین کے بعد امیر محترم کی قیادت میں منصوبہ بندی کی اور مختلف مقامات پر پاکستانی فوج کے ساتھ ٹکرانے کا فیصلہ کیا۔ اس تازہ واقعے سے

چند ہی ماہ قبل علاقہ 'مدیجان' کے قریب مجاہدین کی پاکستانی فوج کے ساتھ ایک جھڑپ ہو چکی تھی، جس میں ۴۸ فوجی ہلاک اوران کی بارہ (۱۲) گاڑیاں ناکارہ ہوئی تھیں۔ اس ایک جھڑپ سے مجاہدین کو پاکستانی فوج کی مہارت اوراس کی بزدلی کا خاصا اندازہ ہو چکا تھا۔لہٰذا امیر محترم نے توفیقِ الٰہی سے اپنی جہادی فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے علاقے کا تفصیلی دورہ کیا،حکمتِ عملی کے مطابق پاکستانی فوج کے ارد گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا اورآہستہ آہستہ باقاعدہ کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔الحمدللہ، مجاہدین کے ایک ایک دھاوے میں پاکستانی فوج کو بھاری جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔آخر کار حکومت نے فوج کے بڑھتے ہوئے نقصانات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مذاکرات کی راہ اپنائی۔ مذاکرات شروع ہوئے جس میں علاقہ درے محسود کے قومی مشران نے حصہ لیا۔ بالآخر ۱۸فروری ۲۰۰۵ء کو بمقام سراروغہ حکومتِ پاکستان اور کاروانِ بیت اللہ کے مابین باقاعدہ جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔اس معاہدے کی شرائط آج تک محفوظ حالت میں موجود ہیں جو امیر محترم نے قومی مشران کی موجودگی میں حکومتِ پاکستان سے منوائی تھیں۔

۲۰۰۷ء میں فوجی کانوائے کی گرفتاری

۲۰۰۷ء میں پاکستانی فوج نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک بار پھر محسود علاقے کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لئے کئی درجن گاڑیوں پر مشتمل فوجی قافلہ کرنل ظفر کی قیادت میں شکئی کیمپ سے بھاری ہتھیار اورفوجی ساز وسامان کے ہمراہ لدھا سب ڈویژن کی جانب روانہ ہوا۔مجاہدین کو جب اس نقل وحرکت کی اطلاع ہوئی تو امیر محترم نے علاقہ خیسورہ،شولام اور مومی کڑم پر فوجی قافلے کو روکنے اور گرفتار کرنے کا انوکھا اور منظّم منصوبہ بنایا۔

کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ فوجی ساز وسامان سے لیس اتنی بھاری نفری گرفتار بھی کی جاسکتی ہے۔لیکن بفضلِ تعالیٰ اور پھر امیر محترم بیت اللہؒ کی جنگی حکمتِ عملی اور فہم وفراست کی بدولت ۲۸۰ مسلح فوجی اپنی چھوٹی بڑی گاڑیوں اور مکمل ساز وسامان سمیت گرفتار ہوئے۔

اس واقعے پر پاکستان میں ایک کہرام مچ گیا، چنانچہ فوج نے خود کو بدنامی سے بچانے کے لئے درے محسود قومی مشران سے مذاکرات کئے جس کے نتیجے میں ان فوجیوں کی رہائی عمل میں آئی۔ امیر محترم نے معاہدے کے مطابق تمام فوجیوں کو رہائی دے کر حکومت کو واپس لوٹا دیا۔ یادرہے کہ مذکورہ فوجی مسلسل ۶۵ دنوں تک کاروانِ بیت اللہ کے یہاں مقید رہے۔

تحریکِ طالبان پاکستان کا قیام

پاکستان کے ساتھ گرفتار شدہ فوجیوں کے قضیہ کے بعد امیر محترم نے مختلف قبائلی علاقوں میں برسرِ پیکار جہادی تنظیموں کو متحد کرنے اور ایک منظّم وفعال قوت میں تبدیل کرنے پر خاص توجہ دی۔اس اہم مہم کو سر کرنے کے لئے دیگر قبائلی علاقوں کا دورہ کیا گیا،مختلف تنظیموں کے ذمہ داران سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان سب پر تحریکِ طالبان کے قیام کی اہمیت وافادیت واضح کی گئی۔صرف قبائل ہی نہیں بلکہ بندوبستی علاقوں مثلاً سوات اور دیگر شہری علاقوں کے مجاہدین کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔

بفضلِ تعالیٰ تاریخِ مقررہ پر ان تمام تنظیموں کا اجلاس ہوا۔متفقہ طور پر تحریکِ طالبان پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا اور امیر محترم بیت اللہ محسودؒ کو باضابطہ امیر مقرر کیا گیا۔سوات سے تعلق رکھنے والے مولوی فضل اللہ سلّمہٗ اللہ اور باجوڑ سے تعلق رکھنے والے مولوی فقیر محمد سلّمہٗ اللہ آپ کے نائبین مقرر ہوئے۔مولوی محمد عمر کو مرکزی ترجمان کا عہدہ تفویض کیا گیا۔یوں امیر محترم کی کامیاب کاوشوں نے کئی منتشر جہادی قوتوں کو تحریکِ طالبان پاکستان کے نام تلے اکٹھا کر دیا۔

دسمبر ۲۰۰۷ء کی فوجی یلغار

امیر محترم کی پے در پے کامیابیوں سے طاغوتی قوتوں کا خوف بڑھتا رہا۔تحریک کے قیام نے جہاں پاکستانی حکومت اور فوج کو ایک نئے چیلنج سے درپیش کر دیا، وہاں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو بھی اس پیش رفت سے دھچکہ لگا۔اس لئے وہ ہر لحاظ سے امیر محترم کو اپنے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھنے لگے۔

دسمبر ۲۰۰۷ء کو پاکستانی فوج نے امریکی احکامات کو بجالاتے ہوئے طالبان کے خلاف علاقہ درے محسود میں چار اطراف ......یعنی سپینکئی رغزئی، بروند،مکین اور خیسورہ کے محاذوں...... سے فوجی یلغار کی۔ امیر محترم کی قیادت میں مجاہدین نے ہر محاذ پر یلغاری قوت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پاکستانی فوج کو بے پناہ جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔اگر چہ فوج نے ٹینک،توپ اور ہیلی کاپٹروں کا بے دریغ استعمال کیا اور سپینکئی رغزئی،چگملائی اور خیسورہ میں مقامی آبادیوں کو مسمار کیا،لیکن پھر بھی مجاہدین کے حوصلے بلند رہے اور امیر محترم نے حکومتِ پاکستان پر یہ واضح کر دیا کہ یہاں سے صرف اور صرف جلے ہوئے ٹینک اور فوجیوں کی لاشوں کو ہی لے جانا پڑے گا۔پھر اسی بات نے حقیقت کا روپ دھارا۔دو ماہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ بالآخر فروری ۲۰۰۸ء میں جنگ بندی ہوگئی اور فوج نے خود کو مزید نقصان سے بچانے کے لئے اپریل

۲۰۰۸ء میں ایک بار پھر امن معاہدہ کرلیا۔

کفریہ طاقتوں کا ایک بار پھر حرکت میں آنا

امیر محترم بیت اللہ محسودؒ پاکستانی فوج کے ساتھ کارروائیوں میں مشغول ہونے کے باوجود اندرونِ افغانستان امریکی واتحادی فوجیوں کے خلاف کارروائیاں کرنے میں برابر سرگرم رہتے تھے۔ نیز اس سلسلے میں اکابرینِ امارتِ اسلامیہ کے ساتھ ہمیشہ رابطے میں رہتے ہوئے ان کی ہدایات پر سختی سے عمل پیرا رہتے تھے۔

اپریل ۲۰۰۸ء کے امن معاہدے کے بعد حلقۂ محسود کے طالبان اور وزیر قبائل سے تعلق رکھنے والے طالبان مجاہدین نے ''شوریٰ اتحادِ مجاہدین'' کے نام سے ایک نیا اتحاد تشکیل دیا۔ اس اتحاد کا قیام ہر مخلص مجاہد کی دلی تمنا تھی کیونکہ اس کے نتیجے میں مرکزِ جہاد وزیرستان میں موجود مجاہدین ایک نام تلے اکٹھے ہو گئے اور ہر قسم کے بیرونی حملوں کے خلاف ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عزم کیا۔ یہ اتحاد امریکہ اور اس کے اتحادیوں خصوصاً پاکستان کے حق میں ایک اور ضربِ کاری ثابت ہوئی۔ دنیا بھر کی کفری طاقتیں ایک بار پھر چیخ اٹھیں اور اس اتحاد کے خلاف سازشوں کے جال بننے لگیں۔ اس وقت امیر محترم بیت اللہ محسودؒ ان کے لئے اہم ترین ہدف بن گئے، چنانچہ آپؒ کے خلاف پاکستان کے خفیہ اداروں سے معلومات حاصل کی گئیں۔

۲۵ مئی ۲۰۰۹ء کو پاکستانی خفیہ ادارے ایک بار پھر امریکی وفاداری کو یقینی بناتے ہوئے امیر محترم کی شہادت اور مجاہدین کی عسکری قوت کو ختم کرنے کی غرض سے حرکت میں آئے۔ ۹ ڈرون طیارے مسلسل محسود علاقے کی فضاؤں میں گھومنے لگے۔ تمام جاسوسی ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ڈرون حملوں کا سلسلہ بھرپور انداز سے شروع کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ جیٹ طیاروں نے بھی وحشیانہ بمباری کا آغاز کر دیا۔ چند ماہ یہ سلسلہ جاری رہنے کے بعد کچھ عرصہ قبل مجاہدین کے خلاف زمینی کارروائی کا آغاز بھی کر دیا گیا اور فوج تین سمتوں سے آگے بڑھنے لگی۔ محسود کی زمین پر کفر واسلام کا یہ معرکہ ابھی تک جاری ہے۔

مگر اس کے باوجود امیر محترم عزم مصمم کے ساتھ دن رات مجاہدین کی عسکری قوت منظّم کرنے میں مصروف رہے۔ جیٹ طیاروں کی بمباری اور ڈرون طیاروں کے میزائل حملے آپ کے حوصلوں کو پست نہ کر سکے۔ دریں اثناء آپؒ نے تمام محاذوں کو کمال عسکری مہارت سے منظّم کیا۔ ہر ہر محاذ کا بذاتِ خود جائزہ

لیتے رہے اور بفضلِ تعالیٰ ہر کمی کو مقدور بھر پورا کرتے رہے۔

اسی جہدِ مسلسل کے دوران آپؒ کو ایک رات خواب میں نبیٔ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بیت اللہ بس کافی ہو چکا، اب آنا چاہئے!

امیر محترم نے اس خواب کا اپنی ماں اور اپنے بھائیوں سے تذکرہ کیا، نیز تنظیم میں اپنے رازدار ساتھیوں کو بھی بتایا۔ چھوٹے بھائی اسحاق کو صدقہ کرنے کو کہا، جو فوراً کیا گیا۔ تنظیم سے وابستہ بعض دوستوں کو بھی کچھ رقم دے کر صدقہ کرنے کی ہدایت کی۔ آپؒ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی شہادت کا وقت اب قریب آچکا ہے۔

تاریخِ شہادت

آپؒ ۵ اگست کی رات کو اپنے سسر اکرام الدین شابی خیل کے گھر بمقام زانگاڑہ آرام فرما رہے تھے کہ ایسے میں جاسوسی طیارے سے داغے گئے دو (۲) میزائل گھر پر آ کر لگے، جو بالآخر آپؒ کی شہادت کا سبب بن گئے۔

ربِ رحیم و کریم سے دعا ہے کہ وہ آپ کی زندگی کی تمام جدوجہد کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عنایت فرمائیں، آمین!

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

یقیناً امیر بیت اللہؒ کی زندگی امتِ مسلمہ کے لئے اسوہ وقدوہ اور تاریخِ اسلام میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوری امتِ مسلمہ بالخصوص نوجوانانِ اسلام سے ہماری گزارش ہے کہ وہ امیر بیت اللہؒ کے نقوشِ پا کو اپنے لئے مشعلِ راہ بناتے ہوئے اسلام کا دفاع کرنے اور کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

من قتل نفسا بغیر نفس

عوام میں خفیہ اداروں کے مجرمانہ دھماکے......ظلم وفساد کی انتہا

صلیب کے پجاریوں کی اہلِ اسلام پر جدید یلغار کو آٹھ سال بیت چکے ہیں۔اس جنگ میں امتِ مظلومہ نے کئی گہرے زخم تو سہے ہیں مگر جہاں ایک جانب افغانستان میں مجاہدین کے ہاتھوں صلیبی افواج کی دھنائی کی خبریں اہلِ اسلام کے سینوں کو ٹھنڈک بخشتی ہیں وہاں عراق،صومالیہ،یمن،الجزائر، پاکستان اور دیگر مسلم علاقوں میں دعوتِ جہاد کا انتہائی سرعت سے پزیرائی حاصل کرنا فتح ونصرتِ الٰہی کی نوید سنا رہا ہے۔

پاکستانی افواج اوران کے امریکی آقاؤں کی جانب سے وزیرستان کی سرزمین پر جاری آپریشن اِسی صلیبی جنگ کا ایک حصہ ہے۔اس جنگ میں صلیبیوں کے ساتھ ساتھ ان کے غلام پاکستانی فوجیوں کی آستین سے بھی معصوم امتیوں کا خون ٹپک رہا ہے۔

وزیرستان، باجوڑ اورسوات میں عام مسلم آبادیوں پر مسلسل کئی مہینوں تک صبح وشام جیٹ طیاروں سے بمباری کرکے ہزاروں مسلمانوں کے قتلِ عام اور لال مسجد میں خون کی ہولی کھیلنے کے جرائم امتِ مسلمہ پر یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ان سفاک مجرمین کو مسلم خون کی چاٹ لگ چکی ہے۔ان کی درندگی کا اندازہ حال ہی میں ہونے والے ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جن میں سینکڑوں مسلمانوں کے ہجوم میں دھماکے کرکے ان کا خون صرف اس لئے بہایا گیا کہ ذرائع ابلاغ میں پروپیگنڈے کے لئے صرف ایک خبر حاصل کی جائے۔اوراس خبر کو بنیاد بنا کر امتِ مسلمہ کو اپنے اُن بیٹوں سے برگشتہ کیا جائے جو اس کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کررہے ہیں۔

اہلِ اسلام کے خون کی پیاسی خفیہ ایجنسیوں نے ملاکنڈ آپریشن کے آغاز میں دِیر کی مسجد میں نمازِ تراویح کے دوران بم حملہ کر کے بیسیوں نمازیوں کو شہید کر ڈالا،اور پھر کھلونا بم کے ذریعے معصوم بچوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے،ان دھماکوں کا الزام مجاہدینِ طالبان پر دھر دیا......تا کہ ظالمانہ آپریشن کا جواز گھڑ کر عوام الناس کو مطمئن کیا جا سکے۔

بعینہ اسی انداز میں پشاور کے بازاروں اور اسلامی یونیورسٹی میں خوفناک دھماکے کرا کے صرف اس لئے سینکڑوں معصوم جانوں کا خون کیا گیا کہ وزیرستان آپریشن کے لئے عوامی حمایت حاصل کی جائے اور عامۃ المسلمین کی نظروں میں مجاہدینِ اسلام کی کردارکشی کی جائے۔

امریکہ اور دیگر صلیبی افواج کو اس سے پہلے عراق، الجزائر اور شیشان میں انھی ہتھکنڈوں کے ذریعے مجاہدین اور عامۃ المسلمین کے مابین دوری پیدا کرنے کا تجربہ خوب حاصل ہے۔ اور بظاہر پاکستانی خفیہ ایجنسیوں نے یہ بھیانک قدم اپنے صلیبی آقاؤں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اٹھایا ہے۔

اس صلیبی جنگ میں اخبارات، ٹی وی ادارے اور ریڈیو نشریات بھی کفر کی افواج کے شانہ بشانہ بلکہ ان سے دو قدم آگے بڑھ کر امتِ مسلمہ کے محافظ مجاہدین کے خلاف صف آرا ہیں۔ ذرائع ابلاغ پر مجاہدین کے شرعی جہاد کو فساد قرار دے کر ان کو عامۃ المسلمین کا دشمن ثابت کیا جا رہا ہے، اور کفر اور اس کے ان اسلام دشمن اتحادیوں کو عوام کا محسن بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، جن کے ہاتھ مسلم خون سے تر ہیں۔

[شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

آج ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جس کے بارے میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیثِ صحیح میں سچ فرمایا ہے:

''لوگوں پر ایک بڑا دھوکہ باز زمانہ آنے والا ہے جب جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا گردانا جائے گا، جب خائن امانت دار اور امانت دار خائن قرار پائے گا اور اس وقت رُویبِضہ گفتگو کریں گے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رُویبِضہ سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ بیوقوف آدمی جو عوام الناس کے معاملات میں گفتگو کرے''۔

اور آج عالمِ اسلام اسی افسوس ناک حال میں گزر رہا ہے۔ ایسے ہی رویبضہ وفریب کار آج اس امت پر مسلط ہیں، اس کے بڑے بڑے معتبر رہنما ہیں۔ یہ محض ایک دھوکہ ہے۔ یہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان سے جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن سے خوشحالی وفراخی کا زمانہ قریب ہے اور اس کی نصرت کا وعدہ ان شاءاللہ بہت جلد پورا ہوگا۔]

میڈیا کی خباثت کی تازہ ترین مثال اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور پشاور میں امریکی بلیک واٹر اور ان کے پاکستانی اتحادی آئی ایس آئی کے کرائے گئے حملوں کی منظرکشی ہے۔ جس میں عمداً عوامی مقامات پر

دھماکوں کو تحریکِ طالبان پاکستان کی طرف صریحاً غلط منسوب کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے باوجود ہے کہ مجاہدینِ طالبان کی جانب سے کئی مرتبہ اس بارے میں مؤقف ان نشریاتی اداروں تک پہنچایا گیا مگر ہر مرتبہ یہ کہہ کر انکار کیا گیا کہ حکومت کے خفیہ اداروں کے احکامات کے پیشِ نظر یہ بیانات نشر نہیں کیے جا سکتے۔

پس ادارہ السحاب تحریکِ طالبان پاکستان کے مرکزی ترجمان ''محترم اعظم طارق صاحب'' کے مختصر کلمات اور ''شیخ مصطفیٰ ابو یزید'' حفظہ اللہ کا بیان نشر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جو حکومتِ پاکستان کے ان سفاکانہ جرائم کے بارے میں مجاہدین کے مؤقف کو واضح کرتے ہیں۔

محترم اعظم طارق حفظہ اللہ کا بیان

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

میں بطورِ مرکزی ترجمانِ تحریک طالبان پاکستان کی طرف سے امتِ مسلمہ پر عموماً اور پاکستانی عوام پر خصوصاً یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ عوام کے اندر دھماکے ہم طالبان مجاہدین نہیں بلکہ پاکستان کے خفیہ مکار ادارے اور بلیک واٹر کروا رہے ہیں۔ پاکستان کے ناپاک خفیہ ادارے عامۃ المسلمین میں مجاہدینِ طالبان کے خلاف بداعتمادی اور نفرت پیدا کرنے کے لئے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور پشاور کے خیبر اور قصہ خوانی بازار جیسے دھماکوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ تحریکِ طالبان پاکستان کے اہداف بہت واضح ہیں۔ وہ سرکاری ادارے جو امریکی احکامات کے تحت مجاہدین کے خلاف لڑتے ہیں اور ان کے ہاتھ مجاہدین کے شہداء کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، ہم ان کو اپنا ہدف بنانے میں شرعی طور پر مجاز ہیں۔ ہم ان کو اپنا ہدف بناتے ہیں اور بناتے رہیں گے، اور آخری دم تک ان کے خلاف لڑتے رہیں گے، کیونکہ یہ ہمارے شرعی اہداف ہیں۔ ہم طالبان شریعت کے پابند ہیں اور شرعی جہاد کر رہے ہیں۔ کسی ایک مسلمان کو بھی ہدف بنانا ہم شرعی طور پر حرام سمجھتے ہیں۔ عوام ہماری طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔ ہم ان کے خیر خواہ، محافظ اور مسلمان بھائی ہیں۔ ہم ان شاء اللہ بہت جلد ان ظالم امریکی آلہ کار پاکستانی خفیہ اداروں سے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور پشاور کے ان دھماکوں کا انتقام لیں گے جن میں ان ظالموں نے سینکڑوں معصوم مسلمانوں کو شہید کروایا۔ ہم بے گناہ عوام کو بلیک واٹر اور ان کے میزبانوں کے رحم و کرم پر

نہیں چھوڑ سکتے۔ امریکہ کے لئے عزت ووقار کو قربان کرنے والوں کو ان شاء اللہ بہت جلد منطقی انجام تک پہنچایا جائے گا۔

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین!

شیخ مصطفیٰ ابو یزید حفظہ اللہ کا بیان

الحمد للّٰہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللّٰہ وآلہ وصحبہ ومن والاہ،

پوری امتِ مسلمہ اور بالخصوص پاکستان کے مسلم معاشرے کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آج میں آپ سے ان مجرمانہ بم دھماکوں کے متعلق کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو چند دن قبل پشاور میں کئے گئے، جن کا ہدف مسلمانوں کے بازار تھے، اور جن کے ذریعے معصوم عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مردوں کا قتلِ عام کیا گیا۔

ان مجرمانہ دھماکوں کے متعلق ہمارا موقف یہ ہے کہ:

اولاً...... ہم مسلمانوں کے بازاروں اور عام رہائشیوں کے درمیان اس قسم کے دھماکوں کی شدت کے ساتھ مذمت اور ان سے اظہارِ براءت کرتے ہیں۔ ہم اور ہمارے دیگر مجاہد بھائی کئی مواقع پر یہ موقف بیان کر چکے ہیں۔ مجاہدین تو صرف اللہ کی راہ میں اس کے کلمے کی سربلندی، اس کی شریعت کے نفاذ اور اپنی امتِ مظلومہ کی مدد و نصرت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں...... نہ کہ ان کا قتلِ عام کرنے کے لئے۔

تمام مسلمانوں کو اچھی طرح یہ بات جان لینی چاہئے کہ مجاہدین سے ایسے گھٹیا اور مکروہ افعال کا صادر ہونا محال ہے کیونکہ مجاہدین تو راہِ جہاد پر نکلے ہی اس لئے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے دین، ان کی سرزمین، عزت وناموس اور جان ومال کا دفاع کر سکیں...... جسے صلیبیوں اور ان کے مرتد اتحادیوں نے مباح قرار دے رکھا ہے اور جن کے ہاتھ مسلم لہو سے رنگے ہوئے ہیں۔

ثانیاً...... مجاہدین کا ہدف مرتد ریاست کی فوج، سیکورٹی ادارے اور خفیہ ایجنسیاں ہوتی ہیں۔ یعنی ہمارا ہدف وہ لوگ ہیں جو لال مسجد، سوات، وزیرستان، باجوڑ، اورکزئی، مہمند اور خیبر وغیرہ میں معصوم و کمزور مسلمانوں کے قتلِ عام کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن بہت سے ڈالر کے پجاری نشریاتی ادارے مجاہدین کے اس موقف کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے امریکی سروں میں سر ملاتے ہیں اور مجاہدین کو دہشت گرد قرار دے کر

ان کی شہرت کو داغدار کرتے ہیں۔

ثالثاً......مجاہدین انتہائی باریکی اور توجہ کے ساتھ اپنے اہداف منتخب کرتے ہیں۔ جن جگہوں پر عوام الناس کی آمدورفت ہو، ان سے مکمل گریز کرتے ہوئے صرف مخصوص اہداف کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مثلاً جی ایچ کیو، آئی ایس آئی کے مراکز اور ''دہشت گردی (یعنی اسلام) کے خلاف جنگ'' کی تربیت گاہیں مجاہدین کا ہدف بنتی ہیں۔

رابعاً...... ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ یہ بم دھماکے اللہ کے دشمن صلیبیوں اوران کی اتحادی حکومت اوراداروں کی کارستانی ہے، اوران کی مکروہ جنگ کا حصہ ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہ تو وہی لوگ ہیں جو کسی مومن کے متعلق کسی عہد اور ذمے کا لحاظ و پاس نہیں رکھتے اور نہ انھیں کسی مومن کی حرمت کا کوئی احساس ہے، بلکہ ان کے نزدیک تو مسلمانوں کا لہو کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔

تمام لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اس مجرم و فاسد حکومت اوراس کے سیکورٹی اداروں کی حمایت اوراجازت سے ''بلیک واٹر'' اور دیگر غیر سرکاری خفیہ ایجنسیوں نے پاکستان میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ پاکستان اب ان کے لئے کھلی شکارگاہ بن چکا ہے۔ یہی لوگ ایسے مکروہ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور ذرائع ابلاغ کے زور پر انھیں مجاہدین کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں، تاکہ ایک طرف مسلمانوں کی نسل کشی سے انھیں تسکین ملے اور دوسری طرف ان دھماکوں کے ذریعے مجاہدین کی کردارکشی کی جاسکے۔ (ہر دو لحاظ سے ان کا فائدہ اور مسلمانوں کا نقصان ہے۔)

درج ذیل اشارے اس بات کو مزید واضح کرتے ہیں کہ مذکورہ بم دھماکے انھی کے کئے دھرے ہیں:

الف) عراق وافغانستان میں یہی سیاست کئی مرتبہ دہرائی جاچکی ہے، اوراب ذلیل امریکی یہی پرانے حربے پاکستان کی جانب منتقل کر رہے ہیں۔ وہ متعدد مرتبہ یہ صراحت بھی کر چکے ہیں کہ وہ اپنے سابقہ تجربوں کو پاکستان میں بھی استعمال کریں گے۔

ب) پھر ان مجرمانہ دھماکوں کے لئے عین وہی وقت منتخب کیا جاتا ہے جب اعلیٰ امریکی عہدیدار پاکستان کا دورہ کرتے ہیں،، تاکہ وہ اپنی پریس کانفرنسوں میں یہ کہہ سکیں کہ ان دھماکوں کے ذمہ دار وہی ''دہشت گرد'' ہیں جن کے ٹھکانوں پر ہم ڈرون حملے کرتے ہیں، اور یہ دعویٰ کرسکیں کہ امریکہ تو دراصل ان دہشت گردوں (یعنی مجاہدین) کے خاتمے کے لئے پاکستانی عوام اور حکومت کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

ج) پاکستان کے صحافتی حلقوں نے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ بلیک واٹر کے اہلکاروں اور مغربی سفارتکاروں سے اسلام آباد میں اسلحہ اور دھماکہ خیز مواد ضبط کیا گیا، اور یہ سب اچانک ہی رونما ہو گیا...... جس کے فوراً بعد اس معاملے کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی مخفی سازشیں اور جرائم اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ یہ لوگ (اللہ انھیں رسوا کرے) ہر اس عالم، داعی، دانشور، لکھاری اور صحافی کی ٹارگٹ کلنگ کے منصوبے رکھتے ہیں جو مجاہدین کی مدد کرتا ہو یا ان سے ہمدردی رکھتا ہو۔

د) ان تمام دھماکوں میں ایسی گاڑیاں استعمال کی گئی ہیں جنھیں دھماکہ خیز مواد سے بھر کے بازاروں میں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ دنیا بھر کی خفیہ ایجنسیاں دہشت گردی کی وارداتوں کے لئے عموماً یہی طریقِ کار استعمال کرتی ہیں۔ اور ایسے کتنے ہی دھماکے یہ مجرمین عراق وغیرہ میں کروا چکے ہیں۔

ہ) نیز یہ دھماکے پشاور کے بازاروں میں ہی کیوں ہوتے ہیں؟ اسلام آباد اور کراچی کے مہنگے اور جدید بازاروں میں کیوں نہیں ہوتے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ پشاور کے عام بازاروں میں افغان مہاجرین اور پاکستان کے غریب عوام کی آمدورفت ہوتی ہے جبکہ اسلام آباد وغیرہ کے جدید اور مہنگے شاپنگ مالز میں یہ لوگ خود اور ان کے بیوی بچے، عزیز واقارب اور جان پہچان والوں کا آنا جانا ہوتا ہے، چنانچہ یہ لوگ انھیں نشانہ نہیں بناتے۔

میرے مسلمان بھائیو! ان جرائم کے پیچھے وہی ہاتھ کارفرما ہیں جو قبائلی علاقوں اور افغانستان میں مسلمانوں کی بستیوں اور مساجد پر ٹنوں وزنی بم برساتے ہیں۔

آخر میں ہم تمام مسلمانوں اور بالخصوص پاکستانی عوام کو یہ دعوت پیش کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے خلاف کی جانے والی ان سازشوں کو اچھی طرح سمجھیں اور اس حقیقت کا ادراک کریں کہ ان کا دشمن اپنے مفادات کے حصول اور ان کے پھیلاؤ میں کسی دین کا پابند نہیں ہے اور نہ ہی اسے انسانیت کا کوئی پاس ہے۔ جنگوں میں مجرمین کو کھلی چھوٹ ہوتی ہے کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں......اور یقیناً یہ فتنہ اور آزمائش ہے۔ لہٰذا آپ اللہ پر توکل کیجئے اور جان رکھیئے کہ اللہ کی مدد ونصرت صبر کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ حق اور اہلِ حق کو پہچانئے اور ان کی مدد کیجئے۔

خصوصاً صحافیوں، مفکرین اور لکھاریوں میں موجود اہلِ فہم و اہلِ بصیرت افراد سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ حق کے ساتھ ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں، انصاف کا ساتھ دیں اور ان مکروہ سازشوں کا پردہ چاک

کریں۔

یقین کیجئے! خدانخواستہ اگر اس جنگ میں مجاہدین کو شکست ہوئی تو بلیک واٹر، صلیبی طاقتوں اور مرتدین کا اگلا ہدف آپ لوگ ہی ہوں گے۔

آپ کے مجاہد بھائی تو آپ کی امت اور آپ کے دفاع کا خطِ اول ہیں۔اور بیشک اللہ تو اہلِ ایمان کا دوست اور مددگار رہے۔

والحمدللّٰه رب العالمين، ولا عدوان إلا على الظالمين.

والسلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته.

(بشکریہ 'ادارہ السحاب')

واعدوا لہم ما استطعتم

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برچھیوں اور نیزوں کے نام اوران کی تعداد

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آٹھ عدد مختلف قسم کی برچھیاں اور نیزے تھے جن میں سے پانچ کے نام مل سکے ہیں۔

۱۔ اَلْعَنَزَۃ: یہ عصا نما چھوٹا نیزہ تھا جو حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطورِ ہدیہ بھیجا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی اسے ساتھ رکھتے تھے، اوراسی سے نماز کے دوران 'سترہ' کا کام لیتے تھے۔ عید کے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار کے ہاتھ میں یہی نیزہ ہوتا تھا اوراسی کو عیدگاہ میں بطور سترہ گاڑ دیا جاتا تھا۔

۲۔ اَلْبُیْضَاء: یہ نسبتاً بڑا نیزہ تھا۔

۳۔ اَلْمُثْوِیْ

۴۔ اَلْمُثْنِیْ

۵۔ اَلسِّغَاء

(زرقانی؛ص۳۸۱، ج۳)

قد أفلح من تزكى

موت کی یاد

امام غزالیؒ کی کتاب إحياء علوم الدين سے تلخیص شدہ اقتباس

جان رکھو کہ جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار، فریبِ دنیا کا شکار اور لذاتِ دنیا میں غرق ہو تو اس کا دل لا محالہ موت کی یاد سے غافل ہو گا۔ اسے موت کے تذکرے سے بھی کراہت ہو گی اور وہ اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الجمعة ۸)

''(ان سے) کہہ دیجئے کہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، ضرور تمہیں آ کر رہے گی۔ پھر تم پوشیدہ و ظاہر کے جاننے والے (رب) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر وہ تمہیں تمہارے کرتوت جتلا دے گا''۔

موت کے معاملے میں لوگ تین قسم کے رویے رکھتے ہیں:

پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، یعنی غرقِ دنیا۔ یہ لوگ اول تو موت کو یاد ہی نہیں کرتے ہیں۔ اور اگر انھیں موت یاد آ بھی جائے تو یاس و افسوس کے ساتھ اپنی دنیا زائل ہونے کے غم میں رونے لگتے ہیں۔ پس موت کی یاد انھیں اللہ تعالیٰ سے مزید دور کرتی ہے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنے گناہوں سے تائب ہونے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ لوگ موت کو کثرت سے یاد کرتے ہیں تا کہ ان کے دلوں پہ خوف و خشیت طاری ہو جائے جس کے سبب یہ سچی توبہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔

ان میں سے بعض لوگ خشیت کے سبب موت سے ڈرنے لگتے ہیں، کہ کہیں گناہوں سے سچی توبہ اور اپنی مکمل اصلاح کرنے سے پہلے ہی انھیں موت آن نہ دبوچے۔ تاہم یہ موت سے ڈرنے اور اس سے کراہت محسوس کرنے میں معذور ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مصداق نہیں، کہ:

''من كره لقاء الله كره الله لقاءه''.

''جواللہ تعالیٰ سے ملاقات کوناپسند کرتا ہےتو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کوناپسند کرتے ہیں''۔

(صحيح البخاري؛ باب من أحب لقاء اللّٰه، صحيح المسلم؛ باب من أحب لقاء اللّٰه)

کیونکہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند نہیں کرتے بلکہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں توبہ کی قبولیت سے قبل ہی انھیں موت آلے اوران کی لغزشوں اورکوتاہیوں کے سبب اللہ تعالیٰ سے ملاقات چھوٹ جائے۔ان کی مثال تواس شخص کی سی ہے جواپنے محبوب سے ملنے میں اس وجہ سے تاخیر کردیتا ہے کہ وہ اس ملاقات کی تیاری میں مصروف ہوتا ہے......ایسی تیاری میں جواس کے محبوب کا دل خوش کر دے۔

لیکن یہ بھی جان لیجئے کہ اس کیفیت کی ایک واضح علامت ہے ؛یعنی یہ کہ انسان ہمیشہ موت اور ملاقاتِ باری تعالیٰ کی تیاری میں منہمک رہےاورغرقِ دنیالوگوں کی طرح دوسری چیزوں میں جی نہ لگائے۔

تیسری قسم عارفین کی ہے،یعنی وہ لوگ جوموت کو ہمیشہ یادرکھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موت دراصل اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی گھڑی ہے۔اور بلاشبہ محبّ کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے ملاقات کی گھڑی کبھی نہیں بھولتا۔یہ لوگ موت سے اس لئے انس ومحبت رکھتے ہیں کہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے یہ گناہوں بھری اس دنیا سے نکل کر اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں جا پہنچیں گے۔

حضرت حذیفہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب ان کی موت کاوقت قریب آ لگا تو وہ کہنے لگے:

''اے میرے اللہ! اگر آپ کے نزدیک میں اپنے اس دعوے میں سچا ہوں کہ مجھے فقر دولت مندی سے زیادہ پسند ہےاور بیماری صحت وتندرستی سے زیادہ عزیز ہے،اورموت زندگی سے بڑھ کر محبوب ہے تو مجھ پر موت کو آسان فرمادیجئے، یہاں تک کہ میں آپ سے ملاقات کرلوں''۔

چنانچہ جس طرح توبہ کا طلبگار موت سے ڈرنے میں معذور ہے،اسی طرح بندۂ عارف موت سے محبت وچاہت میں معذور ہے۔پھران دونوں میں سےافضل وہ ہے جواپنامعاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اوراللہ تعالیٰ کی چاہت کواپنی چاہت پرمقدم رکھے۔یہ وہ مقام ہے جہاں رب تعالیٰ سےمحبت وچاہت اوررب کے حضورتسلیم ورضا مجتمع ہوجاتی ہیں،اور یہ (احسان کا) غایت درجہ اورانتہاء ہے۔تاہم ہرحال میں موت کو یادکرنے پراجروثواب ملنا یقینی ہے۔

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أكثروا ذكر هاذم اللذات يعني الموت".

''لذتوں کو زائل کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو''۔

(جامع الترمذي؛ باب ما جاء في ذكر الموت، سنن النسائي؛ كثرة ذكر الموت)

یعنی موت کو (اور اس کی شدت وسختی کو) یاد کیا کرو یہاں تک کہ اس کی فکر تم سے دنیا کی لذتیں ترک کروادے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لو يعلم البهائم الموت ما يعلم بنو آدم ما أكلت سمينا".

''اگر چوپایوں کو موت کے بارے میں وہ کچھ معلوم ہوتا جو ابن آدم کو معلوم ہے تو تمہیں کوئی موٹا تازہ جانور کھانے کو نہ ملتا''۔

(شعب الإيمان للبيهقي؛ باب في الزهد وقصر الأمل)

موت کو یاد کرنا اس دھوکے کے گھر (یعنی دنیا) سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری کا باعث بنتا ہے۔ اس کے برعکس موت سے غفلت دنیا کی رنگینیوں اور آلائشوں میں محو ومگن ہونے کا سبب بنتی ہے۔

ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تحفة المؤمن الموت".

''مومن کے لئے موت (اصل) تحفہ ہے''۔

(شعب الإيمان؛ باب في ذكر ما في الأوجاع والأمراض والمصيبات من الكفارات، المستدرك للحاكم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے فرمایا کہ دنیا مومن کے لئے قید خانے کی مانند ہے اور جب تک وہ یہاں رہتا ہے، اسے اپنے نفس، شہوات اور شیطان کے خلاف سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ پس موت اس کے لئے اس تمام مشقت سے آزادی کا پیغام ہوتی ہے، اور یہ آزادی اس کے حق میں ایک تحفہ ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الموت كفارة لكل مسلم".

''موت ہر مسلمان کے لئے کفارہ ہے''۔

(شعب الإيمان؛ باب في ذكر ما في الأوجاع والأمراض والمصيبات من الكفارات، الحلية لأبي نعيم)

یعنی جب ایک سچا مسلمان اور حقیقی مومن اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھتا ہے، اخلاقِ حسنہ اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور کبائر کے ارتکاب سے اپنے نفس کو باز رکھتا ہے، مگر اس کے باوجود اس سے کچھ صغیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوجاتا ہے، تو ایسے میں موت ان صغیرہ گناہوں سے بھی اس بندۂ مومن کو پاک صاف کردیتی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی جانب نکلے تو دیکھا کہ ایک گروہ (بے فائدہ) باتوں میں مصروف ہے اور ہنس کھیل رہا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

''والذي نفسي بيده لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا''.

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم ہنسنا کم کردو اور کثرت سے رونے لگو''۔

(شعب الإيمان؛ باب في الرجاء من اللّٰه تعالىٰ، صحيح ابن حبان)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انصار کے ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! لوگوں میں سے عقلمند اور معزز ترین لوگ کون ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أكثرهم ذكرا للموت وأشدهم استعدادا له. أولئك هم الأكياس ذهبوا بشرف الدنيا وكرامة الآخرة''.

''وہ لوگ جو سب سے بڑھ کر موت کو یاد کریں اور سب سے زیادہ انہماک کے ساتھ اس کی تیاری کریں۔ یہی ہیں سب سے سمجھدار لوگ! انہوں نے اپنے آپ کو دنیا کی عزت اور آخرت کے وقار کا مستحق بنالیا''۔

(كتاب الموت لابن أبي الدنيا، سنن ابن ماجة؛ باب ذكر الموت والإستعداد له، معجم الكبير للطبراني)

اسوۂ اسلاف کی روشنی میں

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں:

''من عرف الموت هانت عليه مصائب الدنيا وهمومها''.

''جو کوئی موت کی حقیقت کو جان گیا تو اس کے لئے دنیا کے مصائب اور غم ہیچ ہوگئے''۔

حضرت صفیہؓ بتاتی ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہؓ کے پاس قساوتِ قلبی کی شکایت لے کر آئی تو آپؓ نے اس سے کہا: ''موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، تمہارا دل نرم ہو جائے گا''۔ جب اس عورت نے ایسا کیا تو اس کا دل نرم ہو گیا، سو وہ آئی اور حضرت عائشہؓ کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ:

''ما رأيت عاقلا قط إلا أصبته من الموت حذرا وعليه حزينا''.

''میں نے کوئی عقل مند آدمی ایسا نہیں دیکھا جو موت سے خوفزدہ اور غمگین نہ ہو''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کسی عالم سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ انھوں نے کہا: ''آپ پہلے خلیفہ نہیں کہ جسے موت آلے گی!'' آپؒ نے فرمایا: ''مزید نصیحت کیجئے''۔ انھوں نے کہا: ''حضرت آدمؑ سے لے کر آپ کے آباء تک تمام نے موت کا ذائقہ چکھا ہے، اور اب آپ کی بھی باری قریب آ گئی ہے''۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رونے لگے۔

حضرت ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں: ''دو چیزوں نے مجھے دنیا کی لذتوں سے روک رکھا ہے؛ ایک موت کی یاد، دوسرا اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کا خوف''۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ نے اپنے گھر میں ایک گڑھا بطورِ قبر کھود رکھا تھا اور دن میں کئی مرتبہ موت کو یاد کرنے کی غرض سے اس میں لیٹتے تھے۔ آپؒ فرماتے تھے کہ ''اگر میرا دل ایک لمحے کے لئے بھی موت کی یاد سے خالی ہو گیا تو یہ بگڑ جائے گا''۔

موت کو یاد کرنے کا طریقہ

جان رکھو کہ موت انتہائی خوفناک امر ہے۔ یہ اپنے ساتھ آخرت میں کامیابی یا ناکامی کا عظیم فیصلہ لئے آتی ہے...... لیکن لوگ اس سے غافل پڑے ہیں، نہ اس کے متعلق سوچتے ہیں، نہ ہی اسے یاد کرتے ہیں۔ پھر جو لوگ موت کو یاد کرتے ہیں وہ بھی قلبِ خالی سے نہیں بلکہ ایسے دل سے جو دنیا کی محبت سے پراگندہ و گدلا ہو۔ چنانچہ یہ یاد کرنا انہیں کچھ نفع نہیں دیتا۔

موت کو یاد کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مومن پہلے اپنے دل کو تمام دیگر غموں اور فکروں سے خالی کرے، پھر موت کو اس طرح یاد کرے جیسے وہ عین اس کی آنکھوں کے سامنے ہو (اور اس کی طرف بڑھا چاہتی ہو)۔ اُس کا حال بالکل اس شخص کی مانند ہو جو ایک کٹھن راستے پر محوِ سفر ہے یا سمندر میں سفر کر رہا

ہے، اور اسے اس کے سوا کوئی دوسری فکر لاحق نہیں۔

پس بندۂ مومن اس کیفیت کے ساتھ موت پر غور کرے، (دنیوی زندگی کے اختتام اور وقتِ نزع کی سختی کا سوچے، موت کے بعد آنے والے مراحل کی فکر کرے، محشر میں حاضری اور اللہ کے حضور جوابدہی کو ذہن میں رکھے) اور پھر اس کے نتیجے میں دل سے دنیا کی محبت و چاہت کو کم کرے اور اسے مالک کے حضور شکستہ و غم گرفتہ بنائے۔

ساتھ ہی ساتھ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے احوال کو بھی یاد کرے۔ ان کی موت اور زمین کی پشت سے اٹھ کر ان کے پیوندِ خاک ہونے تک کے سفر کو ذہن میں تازہ کرے، دنیا میں ان کے چہروں کی تازگی اور ان پہ پھیلی رونقوں کے بارے سوچے اور دیکھے کہ اب مٹی نے ان کے چہروں کو کیسے مٹا ڈالا ہے۔ اپنے قلب و ذہن میں تصور کرے کہ قبر میں ان کے اعضاء کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے، ان کی موت سے کیسے ان کی عورتیں بیوہ، ان کی اولاد یتیم اور ان کے اموال تباہ ہوئے، ان کے دم سے آباد محفلیں کیسے ان کے وجود سے خالی ہوئیں اور آج ان کا نام ونشاں تک باقی نہ رہا۔ پھر یہ بھی سوچیں کہ دنیا میں ان لوگوں کا رویہ کیا تھا؟ کیسے وہ دنیا کی رنگینیوں میں مگن تھے، موت کو بھول کر متاعِ دنیا کے دھوکے میں مبتلاء تھے، اپنی جوانیوں پہ نازاں، کھیل تماشوں میں مستغرق ومنہمک تھے...... جبکہ موت کسی بھی لمحے انہیں اچک لینے کے لئے منتظر کھڑی تھی۔ پھر اچانک موت نے انہیں اسی حال میں آلیا اور اب وہ خاکستر ہو چکے ہیں!

پس یہ سب سوچنے کے بعد ایک بندۂ مومن کو اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے؟ کہیں وہ بھی ان لوگوں کی طرح دنیا میں غرق تو نہیں؟ کہیں وہ بھی انہی کی طرح موت بھلائے تو نہیں بیٹھا! اگر واقعتاً ایسا ہے تو اس کا حشر اور انجام کیونکر ان کے انجام سے مختلف ہوگا؟

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں: ''جب تم گزرے ہوئے لوگوں کو یاد کرو تو ان (کی یاد) سے اپنے آپ کو (آخرت کے لئے) تیار کیا کرو''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''خوش بخت وہ ہے جو دوسروں (کے ذکر) سے نصیحت حاصل کرے''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم صبح و شام مردوں کو کفنا کر اللہ عزوجل کی

جانب روانہ کرتے ہو، زمین کے گڑھے (یعنی قبر) میں اتارتے ہو جو خاک کے پیوند، احباب کی فرقت اور مال واسباب کی جدائی کے ساتھ ان کا استقبال کرتی ہے''۔

پس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں موت کو کثرت سے یاد کرنے اور آخرت کے لئے سامان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہمیں موت کی سختیوں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرمائیں، آمین!

اشاریہ

فقه الجهاد

جہاد فی سبیل اللہ کے اساسی مقاصد	محمد مثنیٰ حسان	شمارہ۴

الولاء والبراء

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟	شیخ احمد شاکرؒ کا فتویٰ	شمارہ۲
کفار سے برأت کا قرآنی عقیدہ	مولانا قاری طیبؒ	شمارہ۳
مسلمانوں کے تعلقات کی اساس؛ لا الٰہ الا اللہ	سید قطب شہیدؒ	شمارہ۴

إن الحكم إلا لله

جمہوریت، عصرِ حاضر کا صنمِ اکبر	مولانا اشرف علی تھانویؒ	شمارہ۳
جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے	مولانا یوسف لدھیانویؒ	شمارہ۴

خذوا حذركم

امنیت	قاری عبدالہادی	شمارہ۱
کیا امنیّت (احتیاطی تدبیر) توکّل کے منافی ہے؟	قاری عبدالہادی	شمارہ۲

إنما يخشى الله من عباده العلماء

حکمرانوں کی قربت سے بچو! (قسط اول)	امام سیوطیؒ	شمارہ۳
حکمرانوں کی قربت سے بچو! (قسط دوم)	امام سیوطیؒ	شمارہ۴

مصاحبه

سرزمینِ خراسان کی تازہ داستان (امارتِ اسلامیہ افغانستان کے جنوبی علاقوں کے جنگی کمان دان محمود غزنوی کی گفتگو)	شمارہ۲
استاد المجاہدین؛ استاد یاسر کے ساتھ ادارۂ حطین کی گفتگو	شمارہ۴

وجاهدوا في الله حق جهاده

جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت وتعاون کے چالیس طریقے	(قسط اول)	شمارہ۲
جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت وتعاون کے چالیس طریقے	(قسط دوم)	شمارہ۳
جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت وتعاون کے چالیس طریقے	(قسط سوم)	شمارہ۴

کلمۃ حق عند سلطان جائر

امام شامل کا روسی جرنیل وارنسٹوف کے نام تاریخی مکتوب	شمارہ۲
لال مسجد کا تاریخی فتویٰ	شمارہ۳

والقانتین و القانتات......

''میں اپنے بیٹے کو حوروں کے حجلۂ عروسی میں بھیج رہی ہوں''۔ مصر کے نوجوان ''خالد اسلامبولی'' کی والدہ کی ایمان افروز تحریر	شمارہ۱
شہید ڈاکٹر ارشد وحید رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کا خط	شمارہ۳

فاسئلوا أھل الذکر

ان کی گردنیں مارو! (مفتی نظام الدین شامزئیؒ کا ایک اہم فتویٰ)	شمارہ۳
کیا جہاد کے لئے قوت میں برابری شرط ہے؟ (مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا ایک تاریخی خط)	شمارہ۴

من المومنین رجال صدقوا

ابو تراب رحمہ اللہ کی آخری وصیت سے اقتباسات		شمارہ۱
حُسینی قافلے کے راہ رو ہیں ہم (شہید عبدالرشید غازیؒ کی وصیت)		شمارہ۲
شہید ملا داد اللہ رحمۃ اللہ علیہ	محمد مثنیٰ حسان	شمارہ۳
شہید ڈاکٹر ارشد وحید رحمۃ اللہ علیہ	محمد مثنیٰ حسان	شمارہ۴

وأعدوا لہم مااستطعتم

دشمن کے خلاف تیاری (اعداد) کی شرعی حیثیت	قاری عبدالہادی	شمارہ۱
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں کے نام		شمارہ۳
سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہوں اور کمانوں کی تعداد اور ان کے نام		شمارہ۴

إن من الشعر حکمۃ

عالمِ اسلام کا جواب	نعیم صدیقیؒ	شمارہ۱
میں اپنے شہر میں آج کس کس کو پرسہ دوں؟	پروفیسر عنایت علی	شمارہ۲

صنمِ وطنیت	علامہ محمد اقبالؒ	شمارہ۴

هيِ أسرع فيهم من نضح النبل

کوئی تو ہو جو محاذوں پہ ان کا ساتھی ہو!	شمارہ۲
نبیٔ ملحمہ	شمارہ۴

قد أفلح من تزكى

’’دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں‘‘	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خط	شمارہ۲
شریعت کو مضبوطی سے تھامے رکھو!	مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ	شمارہ۳
خشیتِ الٰہی	امام ابن قیمؒ	شمارہ۴

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: سَیَأتِیْ عَلَی النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ یُصَدَّقُ فِیْھَا الْکَاذِبُ وَیُکَذَّبُ فِیْھَا الصَّادِقُ وَیُؤْتَمَنُ فِیْھَا الْخَائِنُ وَیُخَوَّنُ فِیْھَا الْاَمِیْنُ وَیَنْطِقُ فِیْھَا الرُّوَیْبِضَۃُ. قِیْلَ: وَمَا الرُّوَیْبِضَۃُ؟ قَالَ: الرَّجُلُ التَّافِہُ (یَتَکَلَّمُ) فِیْ اَمْرِ الْعَامَّۃِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں پر ایک بڑا دھوکہ باز زمانہ آنے والا ہے جب جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا گردانا جائے گا، جب خائن امانت دار اور امانت دار خائن قرار پائے گا اور اس وقت رُویبضہ گفتگو کریں گے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رُویبضہ سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیوقوف آدمی جو عوام الناس کے معاملات میں گفتگو کرے''۔

(سنن ابن ماجہ، مسند احمد)